وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا

عیسویت کا آخری سہارا

از نتائج افکار

حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے

شائع کیا

سنہ ۱۹۳۰ء

ضروری گذارش

برادران اسلام السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ - آج عیسائی اقوام کو تمام ممالک اسلامی
پر پورا غلبہ حاصل ہے مسلمان اپنی سلطنت حکومت شوکت کھو بیٹھے ہیں مگر ان سب سے زیادہ عزیز
چیز ان کے پاس ابھی ہے اور وہ ان کا دین ہے عیسائیت ان فتوحات پر قانع نہیں جو اس کو ملکی
طور پر حاصل ہو چکی ہیں بلکہ وہ اب ان سے بڑی فتوحات کے درپے ہے اور وہ ہے عیسائیت
کا بالخصوص اسلامی دنیا میں پھیلانا - سال گذشتہ ایک مشنری رسالہ میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ
صرف ایک مشن نے دو ہزار پادری صرف اسلامی ممالک میں کام کرنے کے لئے تیار کئے ہیں
اور اسلام کی حکومتوں کے مغلوب ہو جانے پر پادری صاحبان نے علانیہ خوشیاں منائی ہیں
کہ اب اسلام کا زور ٹوٹ گیا کیونکہ ان کے خیال میں مذہب اسلام کا غلبہ صرف حکومت کی وجہ سے
تھا - اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم اسلامی ممالک میں عیسائیت کے پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں گے
حتی کہ خود ملک عرب پر بھی ان کی نظر ہے پس مسلمانوں کے لئے ایک اور مقابلہ کی تیاری کی ضرورت
ہے اور وہ ہے دین اسلام کو عیسائیت کے حملوں سے بچانا - اس میں شک نہیں کہ اس مذہب
کے ساتھ حکومت کی وجہ سے طرح طرح کی طاقتیں ہیں - پھر مال و دولت کی افراط ہے مگر ان سب
لالچوں اور کششوں کے مقابل حق ایک ایسی زبردست قوت اپنے اندر رکھتا ہے کہ جو ان تمام
طاقتوں کو پاش پاش کر سکتی ہے - ہر ایک مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے دین کے
حقیقت سے آگاہ ہو اور ان تمام طاقتوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جن کے ساتھ شرک
اور کفارہ کا مذہب توحید اور عمل کے مذہب پر حملہ آور ہو رہا ہے - ہمارا کام صرف دفاع پر
ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہم نے عیسائیوں کو مسلمان کرنا ہے - ہم نے بتانا ہے کہ دنیا کی نجات حقیقی اسلام
سے ہے نہ عیسائیت سے - یہ مختصر رسالہ اہل اسلام کو اس مقابلہ کے لئے تیار کرنے کے واسطے لکھا
گیا ہے - کہ تا برادران اسلام حقیقت سے آگاہ ہو کر اپنے آپ کو حق کے ہتھیاروں سے خوب
مسلح کر کے [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کبھی کبھی دنیا میں بدی کی طاقتیں ایسا غلبہ حاصل کر لیتی ہیں کہ ظاہر بین آنکھ کو دھوکہ لگ جاتا ہے اور سطحی نظر سے دیکھنے والے خیال کر لیتے ہیں کہ حق دب گیا۔ مگر فی الحقیقت یہ ایک دلیل ہوتی ہے کہ حق اپنے اندر ایک ایسی طاقت رکھتا ہے کہ تمام دنیا کی قوتیں مل کر بھی اس کو مٹا نہیں سکتیں۔ یہی حالت اس وقت ہے عیسائیت نے تمام دنیا پر جسمانی رنگ میں غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ اور پادری صاحبان خوش ہو رہے ہیں کہ بس اب اسلام کا نام دنیا سے مٹ جائیگا کیونکہ اس کی جسمانی طاقت کا عیسائیوں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ اگر ایک طرف تمام دنیا کی بادشاہتیں عیسائیت کی پشت پناہ بن رہی ہیں۔ تو دوسری طرف کل دنیا کا سیم و زر جو اب عیسائیت کے قبضہ میں ہے بے دریغ اس کی اشاعت پر خرچ ہو رہا ہے۔ اور اس قدر جوش دلوں میں ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں پادری تیار ہو رہے ہیں جن کی غرض صرف اسلامی ملکوں میں عیسائیت کو پھیلانا ہے۔ بالمقابل اس کے مسلمانوں کے پاس نہ دنیا کی حکومت رہ گئی ہے۔ نہ ہی اس روپیہ کا عشر عشیر بھی ان کے پاس ہے جو عیسائیت کے پاس ہے۔ نہ ہی آج مسلمانوں کے دلوں میں تبلیغ اسلام کا وہ ولولہ باقی رہ گیا ہے جس نے ایک وقت ان کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا تھا۔ گویا کل طاقتیں اب عیسائیت کے ہاتھ میں ہیں۔ اور ہر قسم کی کمزوری اسلام کی طرف نظر آتی ہے۔
یہ تو حالات ظاہر کے لحاظ سے۔ جسمانی طاقت کے لحاظ سے مال و دولت کے

بڑے مصائب کا مقابلہ کر کے بھی زندہ رہ جائے گی۔ اور جو بات زندہ رہنے کے قابل نہیں اس کی پشت پناہ اگر ساری دنیا کی طاقتیں بھی بن جائیں۔ اس پر اگر زمین بھر کر سونا بھی صرف کر دیا جائے تو اس سے اس کو زندگی نہیں مل سکتی۔ زندگی سہاروں سے نہیں ملا کرتی بلکہ وہ اندر ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں ایک مذہب کے زندہ رہنے کا سوال ہے وہاں جسمانی طاقتیں حکومت اور بادشاہت مال و دولت کوئی چیز نہیں۔ سارا مدار ان اصول پر ہے جن کو وہ مذاہب دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے۔ اگر وہ باتیں سچی ہیں اگر طبائع انسانی ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں تو وہ مذہب بھی دنیا کو اپنا غلام بنا سکتا ہے۔ اور اگر ان میں صداقت نہیں تو روپیہ صرف کر کے قوت دکھا کر صرف ایک عارضی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

انسان فطرتاً [illegible]

عیسائیت کیا تعلیم دیتی ہے؟ انسان فطرتاً گنہگار ہے۔ اس لئے کفارہ کی ضرورت ہے۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ انسان فطرتاً بیگناہ ہے۔ اور خلاف ورزی سے گنہگار ہوتا ہے۔ اگر وہ جد و جہد کرے کوشش کرے تو خلاف ورزی احکام الٰہی سے بچ سکتا ہے۔ عیسائیت کی تعلیم انسانیت کو حیوانوں سے بھی بڑھ کر ذلیل ٹھہراتی ہے۔ اس لئے کہ حیوان تو فطرتاً گنہگار نہیں مگر انسان ہے۔ اسلام کی تعلیم انسانیت کو نہایت بلند مقام دیتی ہے وہ نہ صرف فطرتاً گنہگار نہیں بلکہ اعلےٰ سے اعلےٰ کمالات کو حاصل کرنے کی قابلیت اپنے اندر رکھتا ہے یقیناً علم کے پھیلنے کے ساتھ اور جہالت کے کم ہونے کے ساتھ نسل انسانی اس ذلیل غلط خیال کو کہ انسان فطرتاً گنہگار پیدا ہوتا ہے دھکے دے گی۔ کیونکہ جو فطرتاً گنہگار ہے اسے یہ کہنا کہ تم گناہ نہ کرو اور نیکی اختیار کرو خلاف فطرت تعلیم ہے حالانکہ نسل انسانی اس تعلیم کو ترک کر کے ایک دن بھی اس زمین پر آباد نہیں رہ سکتی۔ یہ بات ہر ایک شخص کو تسلیم کرنی پڑے گی کہ انسان کو وہی تعلیم دی جا سکتی ہے جو اس کی فطرت کے مطابق ہو پس جب فطرتاً انسان گنہگار ہے تو عیسائی مذہب کے پیروؤں کو اس اصول کو قبول کرتے ہوئے ایک دوسرے کو تعلیم یہ دینی چاہیئے کہ تم گناہ کرو نہ یہ کہ تم گناہ نہ کرو اور عملی طور پر آج دنیا کی عیسائی طاقتیں اسی اصول پر عمل پیرا ہیں کیونکہ وہ دوسروں پر ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی دل کھول کر اعانت کرتی ہیں لیکن چونکہ یہ تعلیم خلاف

بیگناہ ٹھہراتا ہے یہاں تک کہ ایک یہودی اور عیسائی کے بچہ کو بھی بیگناہ ٹھہراتا ہے۔ اور اسی لئے اس کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیگناہ پیدا کیا ہے تو اس کو اپنی زندگی میں ساری کوشش اس بات پر صرف کرنی چاہئے کہ وہ گناہ نہ کرے اب لاکھ کوشش عیسائیت کے اس اصول کو سہارا دینے کی کی جائے سونے کے ڈھیر بھی اس کی اشاعت پر صرف کر دئے جائیں یہ کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا اور لاکھ کوشش اسلام کے اس اصول کو نابود کرنے کے لئے کی جائے ساری دنیا کی طاقتیں اس کے خلاف ہو جائیں یہ زندہ رہے گا اور آخر دنیا اسے قبول کرے گی۔

پھر عیسائیت کی اصولی تعلیم یہ ہے کہ انسان شریعت یعنی قانون الٰہی پر عمل نہیں کر سکتا۔ اور اسلام کے معنی فرمانبرداری ہیں۔ اور مسلم وہی ہے جو قوانین الٰہی کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا قانون کی فرمانبرداری صحیح اصول ہے یا نہیں۔ اگر فی الواقع ہر ملک اور ہر قوم کے بیشتر لوگ اپنے قوانین ملکی کی فرمانبرداری کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں تو عیسائیت کا یہ اصول کہ قانون الٰہی کی فرمانبرداری نہیں ہو سکتی غلط ہے۔ کیونکہ جب انسانی قوانین کی بھی فرمانبرداری ہو سکتی ہے تو الٰہی قوانین کی کیوں نہیں ہو سکتی۔ یا تو انسان مطلق قانون کی فرمانبرداری ہی کے قابل نہ ہونا چاہئے تھا تو اس صورت میں بلاشبہ یہ سمجھ آ سکتا تھا کہ قانون الٰہی کی فرمانبرداری نہیں ہو سکتی لیکن اگر خود عیسائی ملکوں میں بھی ہم عیسائیت کے اس اصول کا کہ انسان قانون کی پابندی نہیں کیا کر سکتا عملاً ابطال پاتے ہیں اور بیشتر حصہ ہر عیسائی ملک میں خود پابند قانون ہے تو عیسائیت کا یہ اصول کب تک زندہ رہ سکتا ہے؟ کوئی طاقت کوئی حکومت اسے زندہ نہیں رکھ سکتی ہاں اگر کوئی آبادی دنیا کی کسی قطعہ پر ایسی دکھائی جائے خواہ اس میں پادری ہی پادری آباد ہوں جہاں کا ہر ایک انسان قانون شکن ہو۔ کوئی چور ہو کوئی ڈاکو کوئی زنا کار کوئی قاتل۔ تو بلاشبہ اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہو گی کہ آیا فی الواقع انسان قانون الٰہی کی پابندی نہیں کر سکتا لیکن جب ایک عیسائی ہی اپنے عمل سے اس اصول کو غلط ثابت کر دیتا ہے کہ قانون کی فرمانبرداری نہیں ہو سکتی تو وہ مذہب کب تک قائم

نہیں ہوسکتی اور انسانی قانون نرم ہیں۔ تو یہ خود اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے ایسے قانون بنا دیئے جن پر عمل ہی کوئی نہیں کر سکتا۔ مگر آؤ ذرا اس بات پر غور کریں کہ وہ قوانین الٰہی کیا ہیں وہ شریعت کیا چیز ہے جس کی فرمانبرداری کی انسان میں طاقت نہیں اور یہ کیا معاملہ ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اس کے چلنے کے لئے کچھ قوانین مقرر کئے مگر ان پر چلنے کی اس میں طاقت ہی نہیں۔ کیا یہ دو خالق الگ الگ تھے یعنی فطرت انسانی کا خالق الگ تھا اور قوانین کا خالق الگ تھا؟ اور خالق فطرت کو یہ پتہ نہ تھا کہ خالق قانون کیسا قانون بناوے گا۔ ایک انسان بھی جب ایک کل بناتا ہے تو اس کے پرزے ایسے بناتا ہے کہ جس قانون کے ماتحت اس کل نے چلنا ہے وہ پرزے اس کے مطابق کام دینے والے ہوں اور وہ بڑا ہی احمق کاریگر کہلاتا ہے جو پرزے قانون پر چلنے کے قابل نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر اس کو قانون کا علم نہ ہو تو اس سے یہ غلطی ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے پرزے بنا دے جو کام ہی نہیں دے سکتے۔ قانون الٰہی یا شریعت کیا چیز ہے وہ انسان کو دو راہیں بتاتی ہے ایک اپنے نفس کی تکمیل کی راہ دوسرے مخلوق سے تعلقات کی اور مخلوق کی خدمت کی راہ۔ ہر قسم کی عبادات وغیرہ پہلی راہ پر چلانے کے لئے ہیں پس عبادت الٰہی اور حقوق العباد یہ دو باتیں ہیں جو شریعت بتاتی ہے۔ ان میں سے کونسا بوجھ ایسا ہے جس کے اٹھانے کی انسان میں قابلیت نہیں تو کیا اپنے نفس کی تکمیل کی اس میں طاقت نہیں؟ تو پھر اگر طاقت ہی اس میں پیدا نہیں کی گئی تو اس کی طرف قدم اٹھانا ہی لاحاصل ہے۔ کیا دوسری مخلوق سے بہترین تعلقات کی راہوں پر وہ نہیں چل سکتا تو پھر خود قانون بنا کر ان پر کیونکر عمل پیرا ہو سکتا ہے؟ پھر انجیل کو دیکھیں تو وہاں سے تو یہ صاف شہادت ملتی ہے کہ انسان شریعت پر چل سکتا ہے نماز یا دعا کا حکم انجیل میں موجود ہے (متی ۶ : ۵) روزہ کا حکم انجیل میں موجود ہے (متی ۶ : ۱۷) بلکہ اس پر ثواب ملنے کا وعدہ موجود ہے۔ خیرات یا زکوٰۃ کا حکم انجیل میں موجود ہے (متی ۶ : ۲) دوسروں سے ایسے تعلقات رکھنے کا حکم موجود ہے کہ ان پر غصہ نہ ہو کسی کو پاگل نہ کہے کسی کو احمق نہ کہے "جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا

عملدرآمد ہی نہ تھے تو انجیل میں کیوں دیئے گئے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ پھر عیسائیت نے ترقی کیوں کر پکڑی اگر اس کے اصول ایسے بالبداہت خلاف عقل ہی نہیں بلکہ انسانوں کی روزمرہ زندگی کے اصول کے خلاف تھے تو اس کا جواب صرف یہی ہے کہ ان تمام اصول کو منوانے کے لئے عیسائیت نے اصل الاصول قائم کر دیا کہ مذہب میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔ دنیا میں تو ہم عقل سے کام لے کر اصول قائم کر سکتے ہیں مگر مذہب کے جو اصول قائم کئے جائیں ان کو عقل پر پرکھا ہی نہیں جا سکتا کوئی عیسائی اس بات کا مجاز نہیں کہ جو کچھ مذہبی عقاید کی اسے تعلیم دی جاتی ہے ان پر کبھی یوں بھی غور کرے کہ آیا عقل انسانی ان کو قبول کر سکتی ہے یا نہیں۔ اب غور کرو کہ کیا یہ مذہب دنیا میں قائم رہ سکتا ہے جس نے فطرت انسانی کو تو یوں ذلیل کیا کہ وہ پیدائشی گنہگار ہے اور عقل انسانی کو یوں جواب دیا کہ اصول مذہب میں عقل کو کوئی دخل ہی نہیں گویا مذہب بے عقلوں کے لئے بنا ہے بلکہ یوں کہو کہ انسانوں کیلئے نہیں حیوانات کے لئے بنا ہے کیونکہ انسان اور حیوان میں ما بہ الامتیاز تو عقل ہی ہے۔ جب عقل کو مذہب میں کوئی دخل ہی نہیں اور صریح خلاف عقل اصول کو بنیاد مذہب بنانا ہے تو یہ مذہب ذی عقل ہستیوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ عیسائیت نے ہر چیز کا ایک گورکھ دھندا بنا کر ایک وقت دنیا میں عروج حاصل کر لیا مگر جوں جوں علم انسانی ترقی کرتا ہے اس کی اصل حقیقت کھلتی چلی جاتی ہے اور وہ دن دور نہیں جب ہر ایک انسان جو عقل اور فکر سے کام لے اس مذہب سے بیزار ہو کر حق اور صداقت کو دوسری جگہ پائے گا

ایسا ہی کفارہ کی تعلیم عیسائیت کے اصول میں سے ہے یعنی ایک شخص جو بے گناہ تھا وہ چونکہ دشمنوں کے ہاتھ سے مصلوب ہو کر لعنتی ہوا اس لئے تمام دنیا کی لعنتیں اس نے اٹھا لیں۔ اور اس کے تین دن دوزخ میں رہنے سے اب وہ سارے لوگ جو اس بات پر ایمان لائے ہیں ہمیشہ کے لئے دوزخ سے نجات پا گئے۔ اس کے خلاف اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ دوسرے کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ اب ان دونوں اصولوں میں سے دنیا میں عمل کس پر ہے؟ آیا اس بات پر کہ زید جرم کا ارتکاب کرے تو بکر پکڑا جائے یا خود زید کو سزا دی جائے۔ اگر جرم زید کا ہو اور سزا بکر کو ملے تو اسے اندھیر نگری کہا جائے گا اور اگر

دس دن کے لئے بھی دنیا میں مروج کیا جائے تو دنیا کا سب نظم تہ و بالا ہو جائے پھر وہ چیز جو بالبداہت باطل ہے اسے مذہب کی بنیاد کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے اور جس مذہب نے اپنی بنیاد ایک ایسے اصول پر رکھی ہے جسے عقل انسانی ایک لحہ کے لئے قبول نہیں کر سکتی اس کا دنیا میں قائم رہنا محال ہے خواہ اس پر سونے اور چاندی کے کتنے غلاف کیوں نہ چڑھائے جائیں۔ ایسا ہی کفارہ پر ایمان لانے سے کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا ایک شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ہر خوبی کو حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کی ضرورت ہے تو وہ یقیناً جد و جہد کرے گا بھی۔ اور جد و جہد سے انسان آخر کار بہت کچھ حاصل بھی کر لیتا ہے مگر کفارہ کو ماننے کا کیا نتیجہ ہوا یا یہ کہ انسان گناہ کر نہیں سکتا یا یہ کہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے مگر اس کے گناہ معاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ صورت اول بالبداہت باطل ہے۔ صورت ثانی گناہ پر انسان کو اور زیادہ دلیر کرنے والی ہے اور فرض کا احساس یکسر مٹانے والی ہے ۔

تثلیث

پھر عیسائیت کا اصول تثلیث ہے اور اسلام کا اصول توحید یعنی عیسائیت کہتی ہے کہ ہم کو مان لینا چاہیئے کہ تین ایک ہے اور ایک تین اور کہ خدا تین بھی ہیں اور ایک بھی۔ اسلام کہتا ہے خدا ایک ہی ہے۔ ان میں سے کون سی بات ہے جس کو عقل قبول کر سکتی ہے؟ انیس سو سال سے ایک عقدہ لاینحل چلا آتا ہے جس کو کوئی عقل انسانی حل نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ یقینی بات ہے کہ عیسائیت کا یہ شہتیر آج نہ گرا تو کل ضرور گر کر رہے گا کیونکہ یہ بالکل بودا ہے۔ بودی چیز کو ساری دنیا کے آسرے بھی کھڑا نہیں رکھ سکتے اور پھر اس کے باطل کرنے کیلئے خود بائیبل موجود ہے جس کی رو سے تمام دنیا کو توحید کی تعلیم ملتی رہی اور کسی نبی پر یہ نہ کھولا گیا کہ خدا تین بھی ہیں

غرض اگر عیسائیت کے ہاتھ میں ایک طرف ملک و حکومت سیم و زر شان و شوکت ہے تو دوسری طرف اسکے اصول زندگی سے خالی ہیں اور اسلام اگر ایک طرف غربت اور بیکسی کی تصویر بن رہا ہے تو دوسری طرف اس کے اصول کے سامنے علمی رنگ میں ساری دنیا نے سر جھکایا ہوا ہے اور طوعاً و کرہاً کوئی خوشی سے مان رہا ہے اور کوئی عملاً ماننے پر مجبور ہے پس اسلام کو عیسائیت کی اس ترقی سے کوئی خوف نہیں لیکن ایک امر [illegible] ئیت کے ہاتھ میں ایسا آیا ہوا ہے جسے آج علی الاعلان

مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار مانا جاتا ہے۔ اور وہ ہے حضرت مسیح کا زندہ آسمان پر ہونا چنانچہ ذیل کے الفاظ جو بکثرت شائع ہو رہے ہیں قابل غور ہیں:

"از روئے قرآن عیاں ہے کہ جس وقت مسیح کو دشمنوں نے پکڑنا چاہا آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور اسے بجسم عنصری اٹھا کر آسمان پر لے گئے .... لیکن جب مکہ میں دشمنوں نے محمد صاحب کا محاصرہ کیا تو نہ کوئی فرشتہ ان کو بچانے آیا۔ اور نہ آسمان پر پہنچائے گئے .... کیا یہ زمین و آسمان کا فرق نہیں؟ دیگر انبیاء کو بھی اگر دشمنوں سے بچایا ہے تو زمین ہی پر آسمانی حفاظت اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ تمام انبیاء و رسل سے نرالا اور افضل ہے"۔

"مسیح کا آج تک بجسد عنصری آسمان پر رہنا اور حوائج بشری کا باوجود جسم بشری منفک ہونا یعنی خورد و نوش سے فارغ ہونا باوجود بشریت الآن کما کان کا مصداق ہونا مسلمات اسلام سے ہے برخلاف اس کے تمام بنی آدم کی نسبت قرآن میں یوں مرقوم ہے فیہا تحیون وفیہا تموتون ومنہا تخرجون ...... اگر کوئی شخص بشر کہلا کر بھی آسمان پر رہ سکے تو ماننا پڑے گا کہ وہ تمام بنی آدم سے نرالی بشریت رکھتا ہے"۔

"پھر تمام انبیاء کے حق میں مرقوم ہے۔ ماجعلنٰہم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین یعنی ہم نے ان کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ کھانے پینے کے بغیر ہمیشہ زندہ رہ سکیں۔ پس جو کوئی باوجود جسد عنصری کھانے پینے کے بغیر زندہ رہ سکے وہ تمام دیگر انبیاء سے نرالا اور افضل ہے ...... مسیح جو قریباً دو ہزار سال سے بے خورد و نوش زندہ ہے وہ ان مرسل و انبیاء میں شمار نہیں کیا جا سکتا جن کی زندگی کا دارومدار کھانے پینے پر ہے جبکہ محمد صاحب ان اوصاف سے بالکل خالی ہیں تو کیا یہ صاف ظاہر نہیں کہ مسیح ان سے افضل اور بدرجہا برتر ہے"۔

اس قسم کی تحریریں عیسائیوں کی طرف سے بکثرت شائع ہو رہی ہیں۔ اور ان پر یہ فخر کیا جاتا ہے کہ اس کا جواب مسلمانوں کے پاس کوئی نہیں۔ عیسائی پادریوں کو جو مسلمانوں میں کام کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں یہ صاف تعلیم دی جاتی ہے کہ عیسائیت کے تمام اصول سے مسلمان متنفر ہیں اور ان کو ان کے سامنے پیش کرنے سے ان پر کوئی اثر نہیں ڈالا جا سکتا ہاں اگر اثر ڈالا جا سکتا ہے تو مسیح کے آسمان پر

زندہ ہونے کو پیش کر کے ڈالا جا سکتا ہے۔ تو پس ایک مسلمان کے لئے یہ سوال غور طلب ہو جاتا ہے کہ اسلام جو عیسائیت کے تمام اصول کی کھلی کھلی تردید کرتا ہے اس کی تعلیم کا کوئی حصہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جو اس مذہب کے اصول باطلہ کا مؤید ہو اور جسے عیسائی علی الاعلان اپنے مذہب کی تائید میں پیش کر سکیں۔ اور کسی معمولی امر کی تائید میں نہیں بلکہ عیسائی مذہب کے شہتیر یعنی الوہیت مسیح کی تائید میں جیسا کہ حوالہ منقولا بالا سے ظاہر ہے کیونکہ عیسائی بھی مسیح کی بشریت کو تو مانتے ہیں مگر اس میں بشریت سے بالاتر ایک چیز یعنی الوہیت کو بھی مانتے ہیں۔ اور ایک مسلمان نے جب یہ مان لیا کہ دو ہزار سال سے مسیح الآن کما کان کا مصداق ہے۔ اور تغیر جو مخلوق کی صفت لازم ہے اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ وہ برابر ایک ہی حالت میں رہتا ہے اور یہ صرف خدا کا خاصہ ہے تو مسیح میں بشریت کے ساتھ خدائی کا خاصہ مان لیا اور یوں عیسائی عقیدہ کو من وعن تسلیم کر لیا۔ کہ مسیح بشر بھی ہے اور بشر سے بڑھ کر خدا بھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلیم اسلام کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسلام کی کوئی تعلیم ایسی نہیں جس سے کسی باطل عقیدہ کی تائید ہوتی ہو۔ پھر اس باطل کی تائید اسلام کیونکر کر سکتا ہے جس سے بڑا دنیا میں کوئی باطل نہیں یعنی الوہیت مسیح کا عقیدہ جس پر تکاد السموات یتفطرن فرمایا یعنی وہ اتنا بڑا باطل ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے۔

مسیح کی زندگی یا موت کا سوال بلا شبہ اصول اسلام میں سے نہیں نہ ہی فروع میں یہ کوئی بجائے خود اہم مسئلہ ہے کہ فلاں نبی مر گیا یا زندہ ہے لیکن حضرت مسیح کی زندگی یا موت کے سوال کو خاص اہمیت اس وجہ سے حاصل ہوتی ہے کہ اس مسئلہ کو اسلام پر حملہ کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک اس کے ذریعہ سے اسلام پر حملہ نہیں ہوا اس وقت تک مسلمانوں کو اس میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور ابتدائی زمانہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں دونوں قسم کے لوگ رہے ہیں وہ جو وفات مسیح کے قائل رہے ہیں اور وہ جو حیات مسیح کے قائل رہے ہیں۔ ہاں ابتدائی زمانہ میں ترجیح مسیح کی موت کے عقیدہ کو ہی معلوم ہوتی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو خیال اس مسئلہ میں معلوم ہوتا ہے اس پر بحث آگے آئے گی کیونکہ وہ ایک قطعی اور فیصلہ کن دلیل ہے لیکن اہل سنت کے چار مشہور ائمہ میں سے

ایک امام یعنی حضرت امام مالک رضؓ کا مذہب کھلے طور پر یہ بیان ہوا ہے کہ آپ حضرت مسیح کی وفات کے قائل تھے اور دیگر تین ائمہ میں سے کوئی امام بالتصریح حیات مسیح کا قائل نہیں ۔ اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ حیات کے قائل تھے یا وفات کے لیکن یہ امر کہ حضرت امام مالک وفات کے قائل تھے صحیح الفاظ میں عتبیہ میں مذکور ہے جس کو اکمال الاکمال معلم شرح صحیح مسلم میں نزول عیسیٰ کی بحث میں نقل کیا ہے اور مجمع البحار میں لفظ حکم کی بحث میں نقل کیا ہے قال مالک مات یعنی حضرت امام مالک قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ مر گئے اور بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے تھے ۔ مثلاً ایک قول ہے کہ تین گھنٹے آپ مرے رہے ایک قول ہے سات گھنٹے مرے رہے اور ایک قول ہے کہ تین دن تک مرے رہے اور یہ سب اقوال تفاسیر میں موجود ہیں ۔

پس سب سے پہلی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ امت محمدیہ میں نہ صرف اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے بلکہ ائمہ اہل سنت میں سے ایک امام صراحت سے موت کے قائل ہیں اور باقی تین خاموش ہیں ۔ محدثین میں امام بخاری بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں جیسا آگے دکھایا جائے گا ۔ اس لئے سلف میں ترجیح وفات کے قول کو ہے ہاں یہ سچ ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیل کسی بحث کی ضرورت پیش نہیں آئی اس لئے کہ ایک پیغمبر کی موت یا حیات کا سوال کوئی اہم مسائل دینی میں سے نہ تھا اور مخالفین اسلام کی طرف سے مسئلہ حیات مسیح کبھی بطور دلیل اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی تائید میں پیش نہیں ہوا ۔ ورنہ کوئی بزرگ اسلام میں کبھی حیات مسیح کے قائل نہ ہوتے ۔ اصل یہی ہے کہ اس مسئلہ کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوئی کیونکہ ضرورت پیش نہیں آئی ۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ ایک باطل کی تائید میں حیات مسیح کو بطور دلیل پیش کیا گیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مجدد کو وہ دلائل قاطعہ عطا فرمائے جن سے حیات مسیح کے خیال کا صاف طور پر غلط ہونا ثابت ہو گیا اور اگر غور کیا جائے تو اس وقت وفات مسیح کے ماننے میں اسلام کی زندگی ہے کیونکہ عیسائیت کا نہ صرف اس طرح وہ ہتھیار ٹوٹ جاتا ہے جس سے وہ اسلام پر حملہ آور ہو رہی ہے بلکہ خود اس مذہب کا بطلان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مشنری

اس مجوسی کے پیروان کے مقابلہ میں ایسے عاجز آتے ہیں کہ بحث سے ہی کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اے برادران اسلام میں سچ سچ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وفات مسیح کے ساتھ عیسائیت پر موت آجاتی ہے۔ آخر جب امام مالک جیسا عظیم الشان انسان وفات مسیح کا قائل تھا تو تم اس وقت جبکہ اسلام پر حیات مسیح کو مان کر سخت حملہ ہو رہا ہے یہ عقیدہ رکھ کر کہ حضرت مسیح وفات پا گئے اہل سنت والجماعت کے عقیدہ پر بھی رہے اور اسلام کی ایک بڑی خدمت بھی کی کہ اس عظیم الشان باطل کو جو اپنی ساری طاقتوں کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہو رہا ہے تم نے اس طرح پر ایسی زک دے دی کہ جس شکست کے بعد یہ مذہب کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلہ بیشک اسلام میں کوئی اہم مسئلہ نہ تھا لیکن عیسائیت کے اسلام پر حملے نے اس کو بہت سے مسائل سے بڑھکر اہمیت دے دی ہے اس مسئلہ پر تم صرف اس لئے غور کرو کہ وفات مسیح سے عیسائیت کو موت آتی ہے اور اسلام کے پاک اصول دنیا میں زور کے ساتھ پھیل سکتے ہیں اور مسلمان خود عیسائیت کے حملہ کی زد سے باہر نکل سکتے ہیں۔ ہمارا مذہب قرآن و حدیث پر ہے۔ اس میں کوئی ہرج نہیں کہ ایک زمانہ تک بہت سے بزرگوں کو اس طرف توجہ نہ ہوئی اس لئے انہوں نے بغیر اس پر غور کرنے کے ایک مروج خیال کو قبول کر لیا لیکن آج یہ مسئلہ حیات مسیح اسلام پر حملہ کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ آج اگر قرآن و حدیث سے بالصراحت موت کو ثابت پاؤ تو اس کو اختیار کر کے عیسائیت کے حملہ کا دندان شکن جواب دے دو جس سے باطل ہمیشہ کے لئے حق پر حملہ کرنے سے مایوس ہو جائے خوب غور کرو کہ آخر دلیل کا جواب دلیل سے ہونا چاہئے۔ عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ کسی رسول کا جسم ہم نے ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانے کا محتاج نہ ہو اور نہ ہی وہ ایسا ہے کہ اس میں تغیر نہ آتا ہو جس پر صراحت سے آیہ کریمہ وما جعلنا ھم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین (انبیاء: ۸) شاہد ہے اور خلود کے معنی کے لئے دیکھو مفردات امام راغب الخلود ھو تبری الشیٔ من اعتراض الفساد وبقاؤہ علی الحالۃ التی ھو علیھا یعنی خلود ایک چیز کا فساد واقع ہونے سے بری رہنا اور اس کا اس حالت پر باقی رہنا جس پر وہ ہے۔ اس لئے ایک طرف اس آیت

کو پیش کرے جس میں تمام رسولوں کے اجسام کا محتاج طعام ہونا اور ان میں تغیر واقع ہوتے رہنا صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ دوسری طرف عیسائی مسلمانوں کے اس عقیدہ کو پیش کرتے ہیں کہ مسیح دو ہزار سال سے اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر ہے اور نہ اس کا جسم کھانے کا محتاج ہے اور نہ اس میں کوئی تغیر آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ الآن کما کان کا مصداق ہے جو خاصہ خداوندی ہے۔ تو خاصہ بشری اس سے الگ ہو گیا اور خاصہ خداوندی اس میں آگیا۔ کیونکہ تغیر خاصہ مخلوق ہے اور غیر متغیر ہونا خاصہ خداوندی ہے اور عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مسیح بشر بھی تھے اور خدا بھی تو مسلمانوں کے اس عقیدہ سے کہ مسیح کو وہ کچھ حاصل ہے جو کسی بشر کو بروئے تصریح قرآن کریم نہ حاصل ہوا اور نہ کبھی حاصل ہو سکتا ہے ان کا دعویٰ تو ثابت ہو گیا۔ اور یہ نری عقلی بات نہیں جو وہ پیش کرتے ہیں بلکہ وہ قرآن شریف کی آیت پیش کرتے ہیں اور قرآن شریف نے بالخصوص رسولوں کا ذکر کر کے بتا دیا کہ ہم نے کسی رسول کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانے کا محتاج نہ ہو یا تغیر سے پاک ہو پس جب مسیح کے متعلق یہ مان لیا کہ اس کا یہی جسم خاکی جس کو دوسرے رسولوں کی صورت میں اللہ تعالےٰ نے کھانے کا محتاج قرار دیا ہے کھانے کا محتاج نہیں اور تغیر سے پاک ہے تو اس سے سوا اس کے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ تمام رسولوں سے بڑھ کر ہے اور نہ صرف بڑھ کر ہی بلکہ غیر متغیر ہونے اور کھانے پینے کا محتاج نہ ہونے میں خاصہ خداوندی میں شریک ہے میں ہر ایک اس مسلمان سے جو قرآن پاک کی صداقت پر ایمان لاتا ہے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ غور کرے کہ آیا یہ مسیح کی زندگی کا عقیدہ عیسائیت کے عقیدہ الوہیت مسیح کا مؤید نہیں؟ اگر ہے اور ہمارے پاس اور کوئی جواب نہیں تو غور کرو کہ قرآن شریف ایک جگہ یہ فرمائے کہ ہم نے ہرگز کسی رسول کا جسم خاکی ایسا نہیں بنایا کہ کھانے کا محتاج نہ ہو اور اس میں تغیر نہ آتا ہو۔ دوسری جگہ یہ تعلیم اسلامی طور پر دے سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا جسم خاکی دو ہزار سال سے کھانے کا محتاج نہیں۔ اور نہ اس میں تغیر آتا ہے؟

پھر دوسرے پہلو سے غور کرو کہ کفارہ کی اصل بنیاد صرف مسیح کے مصلوب ہونے یعنی صلیب پر جان دینے میں نہیں بلکہ اس کے زندہ آسمان پر جانے میں ہے۔ اور عیسائیت کا حتمی دعویٰ یہ ہے کہ مسیح زندہ آسمان پر گیا اور اگر وہ زندہ آسمان پر نہ پہنچا

گیا تو مسیحی مذہب جھوٹا ہے۔ خود پولوس کے خطوط میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں
اب مقام غور ہے کہ مسیح کے مصلوب ہونے کا اس رنگ میں انکار کرنا کہ اس کے ساتھ
ہی اسے زندہ آسمان پر پہنچایا جاتا ہے عیسائی عقیدہ کو باطل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ زندہ
آسمان پر موجود ہونا جو اصل بنائے دعویٰ ہے وہ تو اسی طرح قائم رہی۔ الوہیت کی
دلیل قائم ہے۔ کفارہ کی دلیل بھی نہ ٹوٹی کیونکہ زندہ آسمان پر جانا تو ان لیا صلیب پر
مر کر ہوا یا بغیر مرنے کے اس سے عیسائی عقیدہ نہیں ٹوٹتا۔

پھر غور کرو کہ یہی وہ زمانہ تھا جس میں خود عیسائیوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ اناجیل میں جو مسیح کے آسمان پر
چڑھنے کا ذکر ہے۔ وہ الحاقی ہے۔ چار انجیلوں میں سے دو انجیلوں میں تو کوئی ذکر ہی
نہیں کہ حضرت مسیح آسمان پر گئے۔ باقی دو میں سے ایک میں ہے "اور ایسا ہوا کہ
جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا ان سے جدا ہوا اور آسمان پر اٹھایا گیا" جس کے
متعلق پادری جے۔ آر۔ ڈملو بائیبل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ الفاظ "اور آسمان پر اٹھایا گیا"
بعض قدیم نسخوں میں موجود نہیں ہیں اور مرقس کے آخری باب کی آخری بارہ آیات جن
میں آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ہے ان کے متعلق وہی مفسر لکھتا ہے "اندرونی
شہادت اس بات کا قطعی فیصلہ کرتی ہے کہ آخری بارہ آیات مرقس کی نہیں ہیں" اور
اس کی تائید میں وہ کئی دلائل دیتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ طرز تحریر مرقس کی نہیں
کئی الفاظ اور فقرے ان آیات میں ایسے استعمال ہوئے ہیں جو مرقس کبھی استعمال نہیں
کرتا۔ سلسلہ کلام میں ربط ٹوٹ گیا ہے۔ وغیرہ۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ یہ بارہ آیات بعد کو
مرقس میں داخل ہوئیں کہ ابتدا میں مرقس کی انجیل چونکہ پہلا مفصل اور مستند بیان ہمارے
خداوند کے سوانح کا تھا۔ اس لئے شروع شروع میں اس کی اشاعت بھی بہت ہوئی۔
اس وقت اس کا خاتمہ مسیح کے گلیل میں جانے کے ذکر سے ہوتا تھا۔ جو اب صرف متی
میں ملتا ہے۔ مگر بعد میں جب پہلی اور تیسری اناجیل شائع ہوئیں جن میں مرقس کا سارا
مضمون آگیا اور ان میں بہت سی فقرے بھی مسیح کی آگئیں تو نتیجہ یہ ہوا کہ مرقس کی اشا(عت)
بالکل کم ہو گئی۔ نتیجہ حواریوں کے زمانہ کے خاتمہ پر یہ کوشش کی گئی کہ حواریوں اور
ان کے رفیقوں کی مستند یادداشتیں اکٹھی کی جائیں تو شروع کے دوسری (یعنی مرقس)
کی انجیل کا کوئی نسخہ آسانی سے دستیاب نہ ہو سکا اور جو نسخہ ملا اور جس سے اور نقلیں

کی گئیں اس کا آخری ورق پھٹا ہوا تھا اس لئے ایک موزون خاتمہ دوسرے ہاتھ نے ساتھ لگا دیا۔ ایک ارمنی نسخہ جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے اس ضمیمہ کو جو اس طرح مرقس کے ساتھ لگا یا گیا ارسٹین کی طرف منسوب کرتا ہے"۔

اب جاننا غور ہے کہ چار انجیلوں میں سے دو انجیلیں مسیح کے آسمان پر جانے کا ذکر ہی نہیں کرتیں حالانکہ اگر کوئی ایسا اہم واقعہ ہوا ہوتا تو سب سے زیادہ زور اس بات پر انجیل نویسوں کو دینا چاہیے تھا اور جو دو ذکر کرتی ہیں ان کے وہ حصص آج الحاقی ثابت ہوئے ہیں۔ اگر فی الواقع قرآن کریم نے حضرت مسیح کی وفات پا جانے کا ذکر کیا ہے اور اس کے آسمان پر چڑھنے کی نفی کی ہے تو یہ اس کا کیسا عظیم الشان معجزہ ہے کہ جو بات آج سے تیرہ سو سال پیشتر کہی گئی آج اس کا اعتراف خود عیسائیوں کو کرنا پڑا پس یوں وفات مسیح کا مسئلہ جس کو اہم ایک جیسے عظیم الشان انسان نے صحیح مانا ہے نہ صرف عیسائیت کے حملہ کو جو وہ اسلام پر کر سکتی ہے بالکل کچل ڈالتا ہے۔ بلکہ ساتھ ہی خود عیسائی مذہب کا بھی فیصلہ کر دیتا ہے اور قرآن کریم کا ایک عظیم الشان معجزہ ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے اب ہم قرآن شریف اور حدیث کی رو سے اس پر غور کرینگے۔

قرآن شریف کا معجزہ

مسئلہ حیات و وفات مسیح میں ایک ضروری امر یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ کسی نبی کی وفات کا ثابت کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ ایک امر مسلم ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا بھی ہے۔ اور بشر ہوتے ہیں رسول دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔ قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں جو رسول پیدا ہوئے وہ سب وفات بھی پا گئے۔ لیکن اس کے خلاف اگر کوئی یہ دعوے کرے کہ ایک یا بعض رسول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے تھے اب تک زندہ موجود ہیں تو یہ بار ثبوت اس کے ذمہ ہے۔ اور جب تک قرآن شریف اور حدیث صحیح صراحت سے اس امر کو بیان نہ کریں کہ فلاں رسول نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ وہ فلاں مقام پر اب تک زندہ ہے۔ اس وقت تک اس کی زندگی کا عقیدہ رکھنا خلاف قرآن و حدیث ہوگا پس سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح کے زندہ ہونے کا یا ان کی وفات نہ پانے کا کیا ثبوت ہے۔ درحقیقت یہ ایک تاریخی امر ہے کہ آیا مسیح علیہ السلام اب تک زندہ ہیں یا وفات پا چکے اور قرآن کریم

ثبوت حیات مدعی کے ذمہ ہے

علم تاریخ کو باطل کرنے نہیں آیا۔ تاریخ میں غلطی کا امکان ہم مانتے ہیں لیکن ہم کسی مسئلہ کو جو تاریخ مسلمہ کو باطل کرتا ہو اپنا مذہبی عقیدہ نہیں بنا سکتے جبتک کہ قرآن کریم اور حدیث صحیح اس کو صفائی سے باطل نہ ٹھہراتے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم کی کون سی وہ آیات ہیں یا کونسی احادیث صحیحہ ایسی ہیں جن میں صراحت سے یہ بیان کیا گیا ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے وفات نہیں پائی بلکہ وہ اب تک زندہ ہیں۔ اور آسمان پر ہیں یا کہیں اور ۔

اس امر پر سب سے بڑھ کر صراحت قرآن کریم کی اس آیت میں بتائی جاتی ہے وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم (النساء ۱۵۷) اور ان کا یعنی یہودیوں کا یہ قول کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا اور اسے قتل نہیں کیا۔ اور نہ اسے صلیب پر مارا۔ لیکن وہ (مسیح) ان کے لئے مشبہ بنایا گیا ۔

اس آیت میں ایک تو نفی قتل وصلب ہے، اور دوسرے اثبات شبہ لہم ان میں سے اول ہم نفی قتل وصلب کو لیتے ہیں۔ کہ اس سے کیا مراد ہے ظاہر ہے۔ کہ اگر کسی شخص کے متعلق ذکر کرتے ہوئے یہ کہا جائے۔ کہ فلاں شخص جو فلاں زمانہ میں آج سے پانچ سو یا چھ سو سال پیشتر ہوا ہے قتل نہیں ہوا تھا نہ مصلوب ہوا تھا۔ تو اس کا یہ نتیجہ صحیح نہیں کہ وہ اب تک زندہ ہے نفی قتل وصلب سے موت کی نفی لازم نہیں آتی۔ اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ مفسرین میں سے کئی لوگ باوجود ما قتلوہ وما صلبوہ کے تین گھنٹے یا سات گھنٹے یا تین دن تک حضرت مسیح کے وفات پا جانے کے قائل ہیں۔ پس ما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ مسیح نے وفات ہی نہیں پائی۔ یا ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اور اس آیت کو حضرت مسیح کے اب تک زندہ ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا بالکل غلط اور بے معنی بات ہے۔ یوں تو ممکن ہے کہ جس شخص کی موت کا کوئی ذکر نہ ہو وہ زندہ ہی ہو لیکن اس کی زندگی اگر معمولی حالات انسانی اس کی وفات کو چاہتے ہیں اس وقت تک تسلیم نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس کا کوئی بیّن ثبوت نہ ہو۔ بہرحال نفی قتل اور نفی صلب سے کسی شخص کا زندہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ زندگی پر کوئی اور دلیل چاہئے۔ کوئی ایسے الفاظ چاہئیں جو مانع وفات

ہوں یا صاف طور پر اس وقت اُن کے زندہ ہونے کا ثبوت اُن سے ملتا ہو۔

اب ہم اس آیت کے معنی کو لیتے ہیں۔ یہاں نفی قتل اور صلب کی ہے پس سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قتل و صلب سے کیا مراد ہے۔ حیاتِ مسیح کے قائل اس بات کے مدعی ہیں۔ کہ صلب سے مراد صرف سولی پر لٹکانا ہے۔ سولی کی موت مارنا اس کے معنی نہیں[۱] قتل سے متعلق کوئی ذکر نہیں کرتے کہ آیا اس سے مراد بھی صرف تلوار کسی پر چلا دینا یا اس پر کوئی شدید حملہ کرنا ہے۔ اور اس کا مار دینا لازمی نہیں۔ کیونکہ نفی قتل اور صلب دونوں کی ہے۔ لیکن لغت کو ہم دیکھتے ہیں۔ تو یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ اول ہم قتل کے معنی لیتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے قتلہ اذا اماتہ بضرب او حجر او سم او علۃ اس کو قتل کر دیا اس سے مراد کہ اس پر موت وارد کر دی ضرب سے یا پتھر سے یا زہر سے یا کسی وجہ سے۔ تاج العروس میں بھی قریباً یہی عبارت ہے قتلۃ اماتہ بضرب او حجر او سم او علۃ فہو قاتل وذاک مقتول۔ اور مفردات امام راغب میں ہے اصل القتل ازالۃ الروح عن الجسد قتل کے اصل معنی روح کو جسم سے دور کر دینا ہے۔ اب صلب کو لو۔ لسان العرب میں ہے والصلب ھذہ القتلۃ المعروفۃ مشتق من ذالک لان ودکہ وصدیدہ یسیل صلب قتل کرنے کا یہ مشہور طریق ہے۔ اور وہ اس سے (یعنی صلیب بمعنی ودک سے) مشتق ہے۔ کیونکہ اس کی (یعنی جسے صلیب دیا جائے) مخ اور پیپ بہ نکلتی ہے۔ یہاں صلب کو صریحاً قتل کا ایک طریق قرار دیا ہے۔ اور قتل بالاتفاق ازالۃ الروح عن الجسد روح کے جسم سے نکال دینے کا نام ہے۔ ایسا ہی تاج العروس میں ہے الصلیب الودک یعنی صلیب ودک یا مخ کو کہتے ہیں۔ اور اس کے آگے لکھا ہے وبہ سمی المصلوب لما یسیل من ودکہ والصلب ھذہ القتلۃ المعروفۃ مشتق من ذالک لان ودکہ وصدیدہ یسیل یعنی مصلوب کو مصلوب اسی وجہ سے کہا گیا ہے کیونکہ اس کی مخ بہ نکلتی ہے اور صلب یہی قتل کرنے کا مشہور طریق ہے جو اسی سے مشتق ہے۔ کیونکہ مصلوب کی مخ اور پیپ بہ نکلتی ہے۔ یہ دونوں لغت کی سب سے عظیم الشان کتابیں ہیں۔ اور دونوں میں

[۱] صلب کے معنی سولی پر چڑھا کر مارنا تین وجوہ سے باطل ہیں .... اگر صلب کے معنی کسی لغت کی کتاب میں یا کسی محاورہ میں یا کسی شعر میں سولی پر چڑھا کر مارنا آتے ہیں تو مصنف صاحب پر واجب تھا کہ اس کتاب کی نقل کرتے .... یاد رکھئے لغت کی کسی کتاب میں اس کی تائید نہیں اور ہرگز نہیں۔" (شہادۃ القرآن مولوی ابراہیم سیالکوٹی صفحہ ۱۰۰)

صلب کے معنی محض لکڑی پر لٹکا دینا ہرگز نہیں لکھے۔ بلکہ صاف معنی یہی دیتے ہیں کہ وہ قتل کا مشہور طریق ہے۔ اور قتل جان سے مارنے کا نام ہے پس صلب جان سے مارنے کا ایک طریق اور جان سے مارنے کا نام ہے۔ صلب میں اور قتل میں فرق خاص و عام کا ہے یعنی ہر ایک صلب قتل ہے۔ مگر ہر قتل صلب نہیں۔ صلب صرف خاص ذریعہ سے قتل کرنے کا نام ہے جو اب چوٹ سے پتھر سے زہر سے موت وارد کرنا یا مار ڈالنے کا نام تو بیشک قتل ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو صرف چوٹ لگائی جائے یا پتھر سے مارا جائے۔ اور اس سے اس کی موت وارد ہو تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ شخص قتل ہو گیا۔ اسی طرح پر اگر کسی شخص کو لکڑی پر لٹکایا جائے۔ اور اس سے اس کی موت وارد ہو تو یہی کہا جائے گا کہ وہ مصلوب نہیں ہوا۔ مصلوب ہونے کے لئے مقتول ہونا لازمی ہے۔ جو شخص مقتول نہیں ہوا وہ مصلوب بھی نہیں ہوا۔ اور اس پر نفی قتل اور نفی صلب کے قول آ سکتے ہیں گو اسے پتھر یا تلوار ماری گئی ہو۔ اور گو وہ صلیب پر لٹکایا گیا ہو۔ کیونکہ صلب قتل کی ایک قسم ہے۔ اور جس واقعہ پر قتل کا نام نہیں آ سکتا اس پر صلب کا نام بھی نہیں آ سکتا۔

یہ تو اہل عرب کی لغت کے مطابق قتل اور صلب کے معنی ہیں۔ اب ہم اہل کتاب کے محاورہ کو دیکھتے ہیں۔ جن کی طرف سے حضرت مسیح کے قتل یا مصلوب کرنے کا دعویٰ ہے کہ وہ قتل اور صلب کیا مراد لیتے ہیں۔ قتل کا لفظ تو ایسا عام ہے۔ کہ اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ ساری دنیا میں قتل یا اس کے ہم معنی الفاظ کسی خاص طریق سے جان سے مار دینے پر بولے جاتے ہیں۔ رہا لفظ صلب یا صلیب۔ سو اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص کو ٹی کی شکل † کی ایک لکڑی پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ اور اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں لگا دی جاتی تھیں۔ بائبل کے انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ لاش صلیب پر رہتی تھی یہاں تک کہ بالکل سوکھ جاتی تھی (بعینہٖ وہی صورت ہے جو عرب کے اہل لغت نے لکھی ہے۔ لاش کے سوکھ جانے کا منشاء یہ ہے۔ کہ ہڈیوں وغیرہ کی ساری رنج اور چربی سب بہ جاتی تھی) اور یہودیوں کے انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ موت کی اصل وجہ بھوک یا طاقت کا زائل ہو جانا تھی۔ اور جسم کے اینٹھ جانے کی وجہ سے بڑی خطرناک اذیت پہنچتی تھی۔ اور آہستہ آہستہ متشنج ہو جاتا تھا۔ بعض وقت تین دن تک لاش لٹکتی رہتی تھی۔ ہاں موت جلدی واقع کرنے کے لئے بعض وقت ٹانگیں توڑ دی جاتی تھیں۔ پس دونوں قوموں کی شہادتوں سے یہ قطعی فیصلہ

ہو جاتا ہے کہ مصلوب صرف اسی شخص کو کہا جاتا تھا جس کی موت صلیب پر واقع ہو اور عموماً
اس کی لاش بھی وہیں خشک ہو جاتی تھی۔ پس جو شخص صلیب پر جان نہ دے۔ گو اس پر لٹکایا
جائے وہ نہ لغت عرب کی رو سے نہ اہل کتاب کے محاورہ کی رُو سے مصلوب کہلا سکتا ہے
جیسا کہ ایک شخص کو تلوار کا زخم لگے۔ اور وہ مرے نہیں تو وہ مقتول نہیں کہلا سکتا +

ان تمام تحقیقات سے ثابت ہے کہ ما صلبوہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت مسیح
کو صلیب پر لٹکایا بھی نہ گیا ہو۔ یہ یاد رکھنا اس لئے ضروری ہے۔ کہ قرآن کریم کے الفاظ کے
ہم کو ایسے معنی نہیں کرنے چاہئیں جو بالبداہت تاریخ کو باطل کرتے ہوں یہ ممکن تو ہے کہ کوئی شخص
صرف اسی قدر الفاظ ما قتلوہ و ما صلبوہ سے یہ نتیجہ نکال لے کہ قتل کی مانند یا صلیب کی مانند بھی
کوئی فعل حضرت مسیح پر وارد نہیں ہوا لیکن یہ نتیجہ لازمی نہیں۔ اور جب ہم تاریخ میں اس امر کو دیکھتے ہیں
کہ ایک طرف یہودی مدعی ہیں کہ ہم نے مسیح کو پکڑ کر صلیب پر چڑھایا۔ اور دوسری طرف
عیسائی جو حضرت مسیح کے پیرو ہیں۔ وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ واقعی صلیب پر حضرت
مسیح کو لٹکایا گیا۔ اور کوئی تاریخ اس وقت کی ایسی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح صلیب پر ہی نہیں چڑھائے گئے
اب اگر ایک شخص چھ سو سال بعد یہ کہدے کہ نہیں وہ صلیب پر نہیں لٹکائے گئے تو اس بات کو کون مانیگا۔ قرآن کریم کے
معنی کرنے میں یہ امر ملحوظ رکھا جائیگا۔ کہ اگر ایک لفظ کے دو طرح پر معنی ہو سکتے ہیں تو ہم وہ معنی اختیار کرینگے۔ جو تاریخ کے
خلاف نہیں۔ علاوہ ازیں قرآن کریم تو اتمام حجت کیلئے آیا یہودیوں اور عیسائیوں پر یہ بات کیونکر حجت ہو سکتی ہے کہ انکو صرف یہ کہکر
خاموش کر دیں کہ تمہاری دونوں کی تاریخ بیشک اس امر پر اتفاق کرتی ہے کہ تم نے مسیح کو صلیب
پر لٹکایا تھا لیکن ہم اس کو نہیں مانتے مسیح زندہ آسمان پر چڑھ گیا تھا تو اس دعویٰ بلا
دلیل کو وہ کیونکر ان سے تسلیم کرا سکتے ہیں۔ اس لئے ہم قرآن کریم کے معنی وہ کرتے ہیں
جو ان کی تاریخ کو باطل تو نہیں کرتے مگر ان کے عقیدہ کو باطل کر دیتے ہیں۔ اور درحقیقت
یہی قرآن کریم کا کمال ہے۔ کہ تاریخ کا انکار کرنے کے بغیر اور ان کی تاریخ کو جس پر دونوں قوموں
کا اتفاق ہے تسلیم کرکے پھر بھی دونوں کے عقیدہ کو باطل کر دیا۔ اس کی تفصیل آگے
آتی ہے +

اس پر یہ سوال کیا جائے گا۔ کہ جب ہم ان کی متفقہ تاریخ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو
وہ دونوں تو اس پر متفق ہیں۔ کہ مسیح صلیب پر مر گئے۔ ہم اس بات کو بھی کیوں نہ مانیں
سو اس کے انکار کرنے کی وجہ نہ صرف قرآن کریم کا تصریحات فرما دینا ہی ہے۔ کہ صلیب

پر سے نہیں بلکہ خود تاریخ موت کی شہادت کوئی نہیں دیتی۔ بلکہ صحیح واقعات اناجیل کے اندر مذکور ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے تو گئے مگر صلیب پر انہوں نے جان نہیں دی چنانچہ اناجیل سے ذیل کے امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول مسیح صلیب پر ایک روایت کے مطابق زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے اور دوسری روایت کے مطابق کوئی قریباً دو گھنٹے رہے۔ چنانچہ مرقس ۱۵: ۲۵ میں ہے "اور تیسرا گھنٹہ تھا۔ کہ انہوں نے اس کو صلیب دی" اور سب انجیل نویس متفق ہیں۔ کہ نویں گھنٹے میں اسے صلیب سے اتارا گیا۔ اس کے برخلاف یوحنا ۱۹: ۱۴ میں لکھا ہے کہ چھٹے گھنٹے کے قریب ابھی پلاطوس نے فیصلہ بھی نہ کیا تھا تو اس لحاظ سے نویں گھنٹے تک صلیب پر رہنے کے بمشکل دو گھنٹے بنیں گے۔ بہرحال دو یا چھ گھنٹوں میں کوئی شخص مصلوب نہیں ہو سکتا یعنی بذریعہ صلیب اس کی موت وارد نہیں ہو سکتی۔ دوئم یوحنا ۱۹: ۳۲ سے ثابت ہے کہ مسیح کے ساتھ جو دو چور صلیب پر کھینچے گئے تھے۔ ان کی ٹانگیں توڑی گئیں۔ تب موت واقع ہوئی۔ مگر مسیح کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ سوئم۔ دونوں شخص جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے جب اس کے ساتھ اتارے گئے تو ابھی زندہ تھے چہارم سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی۔ اور فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا۔ یوحنا ۱۹: ۳۴۔ یہ زندگی کا ثبوت ہے پنجم۔ مرقس ۱۵: ۴۴ میں ہے۔ کہ پلاطوس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا۔ ششم مسیح کو صلیب سے اتارا گیا تو اس کے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوا جو عام مجرموں کے ساتھ ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے لئے چٹان کے بیچ ایک علیحدہ قبر اس کے ایک شاگرد یوسف نامی نے تیار کرا رکھی تھی جو فی الحقیقت ایک کمرہ تھا جس کے سامنے صرف ایک پتھر رکھ دیا گیا حالانکہ یہ مردہ کو دفن کرنے کی طرز یہودیوں میں نہ تھی (مرقس ۱۵: ۴۶) ہفتم تیسرے دن جب مریم مگدلینی وغیرہ آئیں تو قبر کے دروازے سے پتھر کو ڈھلکا ہوا پایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کو ہٹا کر حضرت مسیح کو اندر سے نکالا گیا تھا ہشتم۔ یوحنا ۲۰: ۱۵ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب مریم مگدلینی نے مسیح کو دیکھا تو اسے باغبان سمجھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے بھاگنے کے لئے بھیس بدل لیا تھا۔ نہم کئی دن بعد جب شاگردوں نے مسیح کو دیکھا تو اس کے ہاتھوں میں کیلوں کے نشان بھی دیکھے یوحنا ۲۰: ۲۷ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اسی زخمی جسم کے ساتھ تھے بالفاظ دیگر صلیب زندہ

دہم لوقا ۲۴: ۳۹-۴۳ سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح کا یہی خاکی جسم تھا۔ جب آپ واقعہ صلیب کے بعد شاگردوں سے ملے اور آپ نے کھانا بھی کھایا۔ جس سے قرآن کریم کے الفاظ کانا یاکلان الطعام کی حکمت معلوم ہوتی ہے چنانچہ ذیل کے الفاظ قابل غور ہیں "میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو چونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں۔ جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے اور جب وے مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے اور متعجب تھے اس نے ان سے کہا۔ کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے تب انہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتا اس کو دیا۔ اس نے لیکے ان کے سامنے کھایا۔"

یازدہم مسیح کا جلیل کو پیدل سفر کرنا ثابت ہے دیکھو متی ۲۸: ۱۰ وغیرہ۔

دوازدہم اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسیح نے صلیب سے پہلے رو رو کر دعا کی۔ کہ خدا اُسے صلیب کی موت سے بچائے۔ اور حواریوں کی شہادت سے ثابت ہے کہ یہ دعا قبول ہوئی "اسی نے اپنے مجسم ہونے کے دنوں میں بہت رو رو اور آنسو بہا بہا کے اس سے جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا۔ دعائیں اور منتیں کیں۔ اور تحمل کے سبب اس کی سنی گئی" عبرانیوں ۵: ۷۔

یہ تمام واقعات اور حوالجات اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت مسیح کا صلیب پر کھینچے جانا ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس کا تاریخی طور پر انکار کرنا ممکن نہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہے کہ وہ نہ اس قدر دیر صلیب پر رہے کہ صلیب پر موت واقع ہو سکتی۔ نہ ان کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ بلکہ جلدی اُتار کر ایک چٹان کی کھوہ میں جس کا نام تو قبر ہے مگر وہ ایک کھلی جگہ تھی رکھے گئے وہاں سے ان کا نکلنا حواریوں اور عورتوں سے ملنا بھیس بدلنا۔ پیدل چلنا۔ زخموں کا ہاتھوں پر ہونا۔ کھانے پینے کا محتاج ہونا۔ کھانا کھانا وغیرہ امور ثابت ہیں جو یقینی طور پر ہم کو اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ وہ صلیب کی موت سے باوجود صلیب پر کھینچا جانے کے بچائے گئے۔ اور یہ شہادت ایسی ہے کہ یہودی اور عیسائی سب اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ اور نیز یہاں حضرت مسیح کا ہجرت کرنا بھی ثابت ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آپ جلیل کو چلے گئے اور سنت انبیاء ہے کہ جب ان کو حد درجہ کا دکھ دیا جاتا ہے تو پھر ان کو ہجرت کرنی پڑتی ہے۔

اب ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ ان کی تاریخ تو بتاتی ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے۔ مگر صلیب پر مرے نہیں۔ مگر عقیدہ ان کا یہ ہے کہ وہ صلیب پر مر گئے۔ اور قرآن کریم نے تاریخ کا ابطال نہیں کیا صرف عقیدہ کا ابطال کیا ہے۔ پس یہ کیسا پر حکمت کلام ہے۔ آیت منقولہ بالا میں یہودیوں کا قول تو صرف انا قتلنا المسیح تھا۔ مگر قرآن کریم نے اس کا رد یہ کہکر کیا ہے کہ ماقتلوہ وما صلبوہ یعنی قتل کے علاوہ مصلوبیت کا بھی انکار کیا ہے اور یہ بھی حکمت سے ہے۔ صلیب کی موت اصل میں تو یہی تھی۔ کہ ایک شخص صلیب پے اور پھر ہی جان دے دے۔ اور اس کی لاش وہیں لٹکی رہے۔ مگر بعض اوقات جلد ہی موت وارد کرنے کے لئے یہ طریق اختیار کیا جاتا تھا کہ صلیب سے اتار کر اس کی ٹانگیں وغیرہ ہڈیاں توڑ دی جاتی تھیں۔ تو چونکہ جیسا کہ واقعات مندرجہ بالا سے ثابت ہے حضرت مسیح کو صلیب سے غیر معمولی جلدی میں اتارا گیا۔ اس لئے آپ پر موت وارد کرنے کے لئے دوسرا طریق اختیار کرنا چاہئے تھا یعنی یہ کہ آپ کی ہڈیاں توڑی جائیں۔ جیسا کہ ان دو شخصوں کے ساتھ کیا گیا جن کو حضرت مسیح کے ساتھ صلیب دی گئی تھی۔ مگر یہ بھی نہ ہوا۔ پس قرآن کریم نے ان کے دعویٰ قتلنا کا جواب یہ دیا ہے کہ نہ تم نے صلیب سے اتار کر ہڈیاں ہی توڑیں کہ جان رخصت ہو جاتی اور نہ ہی تم نے صلیب پر اتنی دیر رہنے دیا کہ وہ مصلوب ہوتا یعنی صلیب پر ہی اس کی جان نکلتی اور رطوبتیں نہ نکلتیں۔ یہی حکمت ان دو لفظوں کے لانے میں ہے۔

اب ہم اس کے بعد کے الفاظ کو لیتے ہیں۔ ولکن شبہ لہم اس کے یہ معنی کرنا کہ کوئی شخص مسیح کے ہمشکل بنا دیا گیا بالکل غلط ہے۔ خود مفسرین نے اس دقت کو محسوس کیا ہے چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں قولہ شبہ لہم مسند الی ماذا ان جعلتہ مسندا الی المسیح فھو مشبہ بہ ولیس بمشبہ وان اسندتہ الی المقتول فالمقتول لم یجر لہ ذکر۔ یعنی شبہ لہم کس کی طرف مسند ہے یعنی وہ جو مشبہ بنایا گیا وہ کون ہے۔ اگر مسیح کی طرف مسند ہو تو مسیح مشبہ بہ ہے مشبہ نہیں۔ اور اگر مقتول کی طرف مسند ہو تو کسی مقتول کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ اور پھر اس کا جواب دو طرح پر دیا ہے۔ اول یہ کہ شبہ لہم ایسا ہی ہے جیسے خیل الیہ تو معنی یہ کئے ہیں۔ ولکن وقع لہم الشبہ۔ اور دوسرا یہ کہ ماقتلوہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی دوسرا قتل ہوا پس اس کی طرف ضمیر پھیری اب ظاہر ہے کہ یہ کیسی بودی تاویلات ہیں ماقتلوہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے

وہ شخص جس کا ذکر ہے قتل نہیں ہوا دوسرے کے قتل ہونے پر کہاں سے دلالت پیدا ہوئی ؟ یا اگر کوئی کہے کہ زید قتل نہیں ہوا۔ تو اس کے معنی یہ ہوا کرتے ہیں۔ کہ بکر قتل ہو گیا۔ اسی بات کو تو ثابت کرنا تھا۔ کہ کوئی دوسرا مسیح کی جگہ قتل ہوا۔ اور اسی کو ثابت کرنے سے پہلے فرض کیا۔ اور پھر فرض کر کے اسی کو بطور دلیل پیش کر دیا۔ ایک غلط خیال نے ہمارے مفسرین کو ان مجبوریوں میں ڈالا۔ دوسری تاویل کہ اس کے معنی ہیں وقع لہم الشبہ یہ بھی ایک ویسی ہی بات ہے۔ لغت اس پر شاہد نہیں۔ سوال تو سیدھا تھا کہ کون شخص ان کے لئے مشبہ کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ساری ضمیریں مسیح کی طرف جا رہی ہیں۔ اور مسیح ہی مشبہ ہوا نہ کوئی اور شخص۔ اب کس سے مشبہ ہوا۔ اس پر ما قتلوہ وما صلبوہ صاف دلالت کرتا ہے۔ مقتول یا مصلوب سے اور معنی صاف ہیں کہ مسیح مقتول یا مصلوب نہیں ہوا۔ ہاں مقتول یا مصلوب سے ملتی جلتی حالت اس کی ہو گئی۔ اور واقعات تاریخی جو اوپر اناجیل سے نقل کئے گئے ہیں صاف اس کے مؤید ہیں۔ کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا۔ کالمصلوب ہو گیا۔ پس اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ جب یہ فرمایا کہ اسے قتل نہیں کیا۔ مصلوب نہیں کیا۔ تو یہ خیال ہو سکتا تھا۔ کہ ممکن ہے جو کچھ ان کی تاریخ میں لکھا ہے۔ اس سب کو ہی قرآن کریم غلط قرار دیتا ہو۔ اور ان الفاظ کا یہ منشا ہو کہ وہ مطلق صلیب پر لٹکایا ہی نہیں گیا۔ تو اس وہم کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ صلیب پر لٹکایا تو ضرور گیا یہاں تک کہ اس کی شکل مصلوب کی ہو گئی پر وہ مصلوب نہیں ہوا۔ اس کی شکل مقتول کی ہو گئی پر وہ مقتول نہیں ہوا۔

عجیب ہے کہ ایک ایسی سیدھی سادی عبارت کو جو اصل واقع کو ظاہر کرنے والی تھی اور دعویٰ کے لئے دلیل کا کام دینے والی تھی توڑ مروڑ کر اس سے یہ مطلب نکالا جاتا ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا۔ بلکہ ایک شخص کو کہ مسیح کا ہمشکل یا شبیہ بنا کر مصلوب کر دیا گیا۔ حالانکہ سارے قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد میں کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں جو مسیح کے ہمشکل بنایا گیا ہو۔ اور یہاں جو ذکر شبیہ کا بتایا جاتا ہے وہ بالکل خلاف مفہوم الفاظ ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا شبہ میں ضمیر حضرت مسیح کی طرف جاتی ہے جن کا ذکر پیچھے چلا آتا ہے۔ اور اصل عبارت یوں ہے۔ ولکن شبہ لہم (المسیح) یعنی حضرت مسیح ان کے لئے مشابہ بنائے گئے۔ اور یہ جو بہ استثنا ؟ ؟ ہے صرف محذوف وہ

چیز ہے جس کے وہ مشابہ بنائے گئے۔ سو وہ جیسا کہ میں ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ اور جیسا کہ لفظ لکن جو استدراک کے لئے ہے چاہتا ہے مصلوب و مقتول ہے۔ گویا تقدیر عبارت صرف یوں ہو سکتی ہے ولکن شبہ لہم المسیح بالمصلوب والمقتول حضرت مسیح مصلوب اور مقتول کی شبیہ بنائے گئے یعنی وہ کالمصلوب ہو گئے شبہ کی ضمیر ہرگز کسی مقتول کی طرف نہیں جاتی کیونکہ کسی مقتول کا ذکر پیچھے نہیں +

اس مشکل کو دیکھ کر بعض لوگوں نے عبارت یوں بنا لی ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن صلبوا وقتلوا من شبہ لہم یعنی اس کو قتل نہیں کیا نہ اس کو مصلوب کیا۔ لیکن قتل کیا اور مصلوب کیا۔ اس شخص کو جو ان کے لئے (مسیح کا) ہمشکل بنایا گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ الفاظ قرآنی کے اندر اپنی طرف سے عبارتیں درج کر کے ان کے معنی کو بگاڑنا ہے یہاں لاکن کے بعد پورا جملہ شبہ لہم موجود ہے۔ اور اس میں شبہ فعل مصرح ہے فعل کے موجود ہوتے ہوئے۔ ایک اور فعل کو محذوف ماننا خلاف قواعد ہے البتہ اگر ولکن کے بعد فعل محذوف ہو تو پہلے جملہ سے فعل مقدر نکالا جائے گا جیسے ما قام زید ولکن عمر جس کی تقدیر یوں ہو گی ما قام زید ولکن قام عمر یعنی اصل جملہ تو یہ تھا زید کھڑا نہیں ہوا لیکن عمر اور چونکہ لیکن کے بعد فقرہ میں فعل کوئی نہیں۔ اس لئے پہلا فعل قام محذوف ماننا پڑا۔ اور مطلب یہ ہوا۔ زید کھڑا نہیں ہوا لیکن عمر کھڑا ہو۔ یا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ جہاں ولکن رسول اللہ میں چونکہ فعل موجود نہیں۔ اس لئے کان جو پہلے آ چکا ہے محذوف ماننا پڑیگا۔ یا جیسے ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ میں ولکن کے بعد جملہ میں فعل محذوف ہے۔ تو پہلا کان مقدر ماننا پڑا۔ لیکن یہ آج تک نہیں سنا گیا۔ اور نہ کوئی زبان اس کی اجازت دیتی ہے۔ اور نہ کوئی قاعدہ نحو کا ایسا ہے۔ کہ ولکن کے بعد جملہ میں فعل مصرح ہو۔ اور زبردستی اس میں ایک اور فعل کو ٹھونس دیا جائے۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو فعل شبہ کے ہوتے ہوئے ایک فعل کو مقدر مانتے ہیں۔ قرآن کریم ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ جہاں ولکن کے بعد فعل مصرح ہے۔ اور اس صورت میں ہم قطعاً پہلے فعل کو دوسرے جملہ میں جو ولکن کے بعد ہو داخل نہیں کر سکتے۔ اس کی موٹی مثال وہ ہے۔ جو قرآن کریم میں بار بار آئی ہے وما ظلمہم اللہ ولکن کانوا انفسہم یظلمون۔ اب یہاں ولکن کے بعد فعل مصرح

ہے۔ اس لئے کوئی فعل مقدر دوسرے جملہ میں ہرگز داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر ولکن
قتلوا وصلبوا من شبہ لہم کی طرز پر داخل کیا جائے تو ترکیب یوں ہوگی وما ظلمہم
اللہ ولکن ظلم اللہ الذین کانوا انفسہم یظلمون جس کے معنی یہ ہوں گے۔ اللہ نے
ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن اللہ نے ان پر ظلم کیا جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ حالانکہ
تعالیٰ تو کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا وما ربک بظلام للعبید۔ اسی طرح علم اللہ انکم
کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالئن باشروھن میں چونکہ ولکن کے بعد فعل مصرح ہے۔ اس لئے کوئی
فعل مقدر اور داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح فلولا اذ جاءھم باسنا تضرعوا ولکن
قست قلوبھم میں چونکہ ولکن کے بعد فعل قست مصرح ہے۔ اس لئے مقدر فعل کوئی داخل
نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر پہلے فعل کو بطور تقدیر داخل کریں تو معنی اُلٹ جاتے ہیں جس طرح
ولکن شبہ لہم میں فعل مصرح ہونے پر جب پہلا فعل بطور تقدیر داخل ہوا۔ اور ترکیب
یوں ہوگئی ولکن قتلوا وصلبوا من شبہ لہم تو یہاں اسی طرح پہلا فعل باوجود ایک فعل
کے موجود ہونے کے داخل کیا تو ترکیب یوں ہو جائے گی ولکن تضرع الذین قست
قلوبھم جس کے معنی ہو جائیں گے تو کیوں انہوں نے جب ہمارا عذاب آیا گریہ وزاری
نہ کی لیکن ان لوگوں نے گریہ وزاری اختیار کی جن کے دل سخت ہو گئے تھے۔ جو بالکل
اصلی مقصد کے الٹ معنی ہیں۔ اور جہاں باوجود فعل مصرح کے ایک اور فعل مصرح داخل
کیا جائے گا۔ اسی طرح معنی اُلٹ جائیں گے۔ ایک اور مثال اسی کی ہے ولو ان اھل
القرٰی امنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکٰت من السماء والارض ولکن کذبوا جس کے
معنی صاف تو یوں ہیں۔ اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان
پر آسمان اور زمین سے برکتیں نازل کرتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا۔ اب یہاں ولکن کے
بعد فعل کذبوا مصرح ہے اور اس کی ضمیر انہی لوگوں کی طرف جا سکتی ہے جن کا ذکر پہلے
ہے یعنی اھل القرٰی جس طرح یہ ولکن شبہ لہم میں ولکن کے بعد فعل مصرح ہے۔ اور
شبہ میں جو ضمیر ہے وہ حضرت مسیح کی طرف ہی جا سکتی ہے جن کا ذکر پہلے موجود ہے
اور اگر ہم خلاف قاعدہ ایک نیا فعل داخل کریں۔ اور شبہ لہم پورے جملہ کو من شبہ
لہم بنا کر ایک فعل صلبوا اور پہلے داخل کریں۔ اور من شبہ لہم کو اس کا مفعول بنا دیں
تو یہ معنی اسی طرح اصل کے خلاف ہوں گے جس طرح اس دوسری مثال میں کذبوا کو الذین

کذبوا بناکر ایک فعل پہلے داخل کر کے الذین کذبوا کو اس کا مفعول بنا دیا جائے۔ ترکیب یوں بنا دی جائے ولکن فتحنا برکٰت من السماء والارض علی الذین کذبوا۔ لیکن ہم نے آسمان اور زمین کی برکتیں ان لوگوں پر نازل کیں جنہوں نے جھٹلایا جس طرح یہ ترکیب اصل مفہوم ولکن کذبوا کو بگاڑ کر معنی بالکل اُلٹ کر دیتی ہے۔ اسی طرح ولکن شبہ لہم کا اصل مفہوم ایک نیا فعل قتلوہ وصلبوہ داخل کرنے سے بگڑ جاتا ہے۔ اور ایسے معنی بن جاتے ہیں جو خلاف منشائے قرآن ہیں ۔

پس وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم کے ایک ہی معنی ہوسکتے ہیں۔ کہ مسیح کو انہوں نے قتل نہیں کیا۔ مصلوب نہیں کیا۔ لیکن وہ (مسیح) ان کے لئے مشبہ بنایا گیا۔ اگر کوئی چیز محذوف ہے تو صرف وہ جس کے مشبہ بنایا گیا۔ اور وہ مصلوب و مقتول ہے۔ یعنی مسیح مصلوب و مقتول کے مشبہ ہوگیا۔ اور اناجیل سے جو حوالجات اوپر دیئے جا چکے ہیں وہ صاف بتاتے ہیں۔ کہ فی الواقع مسیح مشبہ بالمقتول و مصلوب ہوگئے تھے۔ لیکن وہیں ساتھ واقعات موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ فی الواقع مقتول و مصلوب نہیں ہوئے۔ کیونکہ جب صلیب سے اُتارے گئے تو پسلی سے خون بہ نکلا اور خون زندہ ہی سے بہ نکلا کرتا ہے۔ نہ مردے میں سے پس صلیب پر نہیں مرے نہ مصلوب ہوئے۔ پھر اُن کی ٹانگیں نہ توڑی گئیں۔ اس لئے مقتول نہ ہوئے پھر وہ جگہ جو ان کی قبر کے نام سے موسوم ہے اس کے سامنے سے پتھر ہٹا کر اُن کو باہر نکالا جاتا ہے۔ پھر وہ حواریوں سے ملتے ہیں اپنے زخم دکھلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ مچھلی کھاتے ہیں سفر کرتے ہیں باتیں کرتے ہیں جو سب زندگی کے کھلے کھلے ثبوت ہیں۔ پس قرآن کریم اپنے دعوٰی میں کیسا صادق ہے۔ کہ تاریخ تو اس کی صداقت کی شہادت دے رہی ہے۔ ہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ ان کی اپنی ہی تاریخ سے باطل ثابت ہو رہا ہے۔ یہ کس قدر مقام تعجب ہے ۔

جو غلطی ولکن شبہ لہم کے معنی کرنے میں ہوئی ہے اس کو میں اوپر دکھا چکا ہوں اور یہ ثابت کر چکا ہوں کہ اسکے معنی صرف یہی ہوسکتے ہیں کہ مسیح کو مشابہ بالمقتول کر دیا گیا۔ یا ایک اور معنی بھی ہوسکتے ہیں۔ جو بعض مفسرین نے کئے ہیں یعنی التبس علیہم الامر۔ ان پر معاملہ ملتبس ہوگیا یعنی شک میں پڑے رہے۔ دیکھو روح المعانی اور

کی تائید اگلی عبارت سے ہوتی ہے۔ مگر یہ معنی ان الفاظ کے قطعاً نہیں ہو سکتے کہ کسی اور
کو مصلوب و مقتول کر دیا جو مسیح کے مشابہ تھا۔ لیکن اگر کوئی ایسے الفاظ ہوتے جن کے
یہی معنی ہو سکتے تو بھی ہم یہ معنی قبول نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ یہ امر خلاف سنت اللہ
۔ اور انجیلی واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔ اور ایسی کارروائی اگر ہوتی تو محض لغو
۔ اس میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی۔ یہ قصہ اس قدر بیہودہ ہے کہ اس کی ایک روایت
قابل اعتراض ہونے کی وجہ سے ایک دوسری روایت بنائی گئی ہے۔ پہلی روایت
اس قصہ کی تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارہ یا تیرہ حواریوں کے ساتھ موجود تھے
کہ یہودی ان کو پکڑنے کے لئے آ گئے تو حضرت عیسیٰ نے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو بہشت
میں میرے ساتھ ہونا پسند کرتا ہے۔ تاکہ میری شبیہ اس پر ڈالی جائے۔ اور وہ میری جگہ مصلوب
ہو جائے۔ تو ایک نوجوان نے جس کا نام بعض روایات میں سرجس دیا ہے اپنے آپ کو پیش
کیا اور عیسیٰ اوپر چلے گئے اور وہ مصلوب ہوا۔ اب یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس صورت میں
مسیح کو بھی علم تھا کہ میں آسمان پر چلا جاؤں گا۔ تو اپنے ہی ایک حواری کو بلا وجہ کیوں مروایا
اس سے کونسی غرض اور کونسی دینی مصلحت پوری ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے
موقعہ پر مکہ سے نکلتے ہیں تو حضرت علیؓ آپ کی جگہ سو جاتے ہیں۔ مگر اس کی اصل غرض کچھ اور
تھی یعنی امانتوں کا ادا کرنا مگر اس سے ایک یہ غرض بھی حاصل ہوئی کہ دشمنوں کو پتہ نہ لگا
کہ محمد رسول اللہ صلعم چلے گئے۔ اور وہ فوراً آپ کی تلاش میں نہ نکل سکے۔ تو کیا حضرت
عیسیٰ کو بھی واقعی یہ فکر تھی کہ اگر میں اپنا شبیہ بنائے بغیر آسمان پر چلا گیا تو یہودی ظالم
آسمان پر بھی پہنچ کر مجھے واپس اتار لائیں گے۔ اس لئے ایک شخص کو شبیہ بنانا پڑا تاکہ یہودی
یہی سمجھتے رہیں کہ ہم نے عیسیٰ کو مار دیا اور آپ کا پیچھا نہ کریں اور آپ کو چوتھے آسمان پر
جا کر گرفتار نہ کر لائیں۔ آخر خدا کے ہر فعل میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ خدا کے لئے یہ غور کرنا
کہ اس فعل میں کیا حکمت تھی۔ اگر حضرت مسیح کسی حواری کو اپنا شبیہ بنائے بغیر آسمان پر چلے
جاتے تو یہودی ان کا کیا بگاڑ لیتے بلکہ یہ تو ان پر ایک عظیم الشان معجزہ سے [illegible]
اتمام حجت ہو جاتا۔ کہ وہ شخص جسے ہم پکڑ سکتے تھے۔ وہ آسمان پر چڑھ گیا۔ [illegible]
تھا۔ ایک عظیم الشان حجت [illegible] یہ معجزہ لوگوں کو دکھاتے تاکہ وہ [illegible] ایمان لے آتے
لیکن کیا یہ کارروائی سراسر بے معنی اور لغو نہیں [illegible]

اپنے ایک حواری کو بلاوجہ مروا جاتے ہیں۔ اور مرواتے بھی ایسی لعنتی موت ہیں جس سے
خود بچتے ہیں۔ کوئی غور کرے کہ کیا نبی کے لئے یہ جائز تھا کہ اپنے حواری کو لعنتی موت مروا دے
کیونکہ توریت میں تو صاف لکھا ہے کہ مصلوب لعنتی ہوتا ہے۔ حضرت مسیح نے اپنے ہی حواری
کو نعوذ باللہ کیوں لعنت کا طوق پہنایا۔

اس مصیبت سے چھوٹنے کے لئے ایک دوسری روایت اس قصہ کی بنائی گئی
کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کا ایک منافق حواری تھا۔ اور تیس روپے لے کر اس نے حضرت مسیح کا
پتہ بتانا چاہا تھا۔ جب حضرت مسیح کے پاس پہنچا تو مسیح علیہ السلام تو اوپر اٹھ گئے۔ اور وہ
ان کا ہمشکل ہو گیا۔ اس سے ایک قدم آگے ترقی کر کے یہ روایت بنی ہے۔ کہ وہ حواری
تھا بلکہ یہودیوں میں سے ایک دشمن تھا جب پکڑنے آیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اوپر اٹھا
لئے گئے اور وہ خود ہی ان کا ہمشکل ہو گیا۔ اس پر بھی وہی اعتراض ہے کہ یہ ضرورت کیوں پیش
آئی۔ کہ کوئی ان کا شبیہ بن کر یہودیوں کے ہاتھ آ جائے سوائے اس کے کہ ان یہودیوں
میں خدا یہ نہ چاہتا تھا۔ کہ یہودی ایمان لائیں بلکہ خود ہی ان کو یہ ماننے کے لئے مجبور کر دیا کہ
واقعی مسیح تو مصلوب ہو گیا اور مصلوب کو توریت نے لعنتی قرار دے کر یہودیوں کے
اس ایمان کو اس طرح پر مضبوط کر دیا کہ واقعی وہ جھوٹا مسیح تھا اور جب خود خدا نے ان یہود
کو یقین دلا دیا تو پھر ان کا مسیح کو جھوٹا کہنے میں قصور کیا؟ اور اگر پہلی روایت کو غلط مان کر
اور مسیح کے کسی حواری کو لعنتی موت سے بچا کر کسی دشمن یا منافق کو ہی اس کا مستحق ٹھہرایا
جائے۔ تو اب دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ دشمن یا منافق تو شور ڈال دیتا۔ کہ میں مسیح
نہیں وہ مسیح تو آسمان پر چلا گیا۔ میں فلاں شخص ہوں تحقیق کر لو۔ آخر یہ تو ان کو علم تھا کہ فلاں
منافق حواری مسیح کا پتہ بتانے کے لئے ہمارے ساتھ ہے۔ یا فلاں مسیح کا دشمن اس کے
پکڑنے کے لئے اندر جا رہا ہے۔ پھر ان سب کے حواس کیونکر معطل ہو گئے۔ کہ نہ وہ پوچھتے ہیں
کہ وہ شخص جو پکڑوانے یا پکڑنے گیا تھا وہ کہاں ہے۔ نہ یہ بولتا ہے کہ میں مسیح نہیں ہوں
فلاں شخص ہوں تحقیق کر لو۔ پیلاطوس کے سامنے لایا جاتا ہے وہ بھی کہتا ہے کہ میں مسیح
ہوں۔ اسے کانٹوں کا تاج پہنایا جاتا ہے اور اس سے ہنسی کی جاتی ہے۔ کہ دیکھو مسیح ہے
صلیب سے اتر نہیں سکتا ہے۔ پھر ایلی ایلی لما سبقتانی پکارتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہتا کہ یہ
ظلم کیا جا رہا ہے۔ کہ مجھ مسیح کے دشمن کو اس کے پکڑنے یا پکڑوانے والے کو مسیح کی جگہ

مصلوب کیا جاتا ہے۔ پھر صلیب سے نجات پانے کے بعد بھی شخص حواریوں کو مسیح کی والدہ کو ملتا ہے۔ اور یہ نہیں کہتا کہ میں کوئی اور ہوں۔ مسیح تو آسمان پر بیٹھا ہے ✦

جب یہ روایت بھی مفید مطلب نہ ہوئی تو ایک اور اسکی جگہ گھڑی گئی اور وہ یہ کہ یہودیوں نے مسیح کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا جب مسیح کو نہ پایا تو ان کو یہ فکر ہوئی۔ کہ لوگ تو اب اُسے خدا کا رسول مان لیں گے اس لئے انہوں نے ایک شخص کو پکڑ کر اُسے صلیب دے دیا۔ اور لوگوں کو اس کے قریب نہ آنے دیا۔ کہ کہیں دیکھ کر معلوم نہ کریں پھر اس کا حلیہ بدل گیا۔ چنانچہ روح المعانی میں یہ لفظ ہیں۔ وقال ابو الجبائی ان رؤساء الیهود اخذ وا انسانا فقتلوه وصلبوه علی موضع عال ولم یمکنوا احدا من الدنو منه فتغیرت حلیته وقالوا انا قتلنا عیسیٰ لیوهموا بذالك علی عوامهم لانهم کانوا احاطوا بالبیت الذی به عیسیٰ علیہ السلام فلما دخلوه ولم یجدوه خافوا ان یکون ذالك سببا لایمان الیهود ففعلوا ما فعلوا اب اس قصہ میں جو پہلی مشکلات سے ایک حد تک نجات ملتی ہے نئی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے اندر متضاد بیانات جمع کرنے جاتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ کسی شخص کو پکڑ کر سولی دیدیتے ہیں۔ دوسری طرف تغیر حلیہ بھی ہو جاتا ہے۔ گویا یہودی حضرت عیسیٰ کو نہ پاکر تلاش تو نہیں کرواتے کہ کہیں بھاگ نہ گیا ہو۔ بلکہ وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ وہ تو آسمان پر چڑھ گیا۔ اور اب اپنے میں سے ایک کو راضی کرتے ہیں کہ تم نے چیخنا چلانا نہ ہم لوگوں کو کہدینگے کہ یہی عیسیٰ ہے۔ گویا وہاں رومی گورنمنٹ تھی ہی نہیں۔ یہ اس قصہ کے بنانے والے کی تاریخ دانی کا کمال ہے۔ خیر یہ تو ہوا انہوں نے فوراً ایک شخص کو الگ لیجا کر صلیب پر چڑھا دیا اور قریب کسی کو نہ آنے دیا۔ اس بات کو بھی جانے دو کہ اناجیل میں پلاطوس کے سامنے پیش ہونا مجمع کا موجود ہونا خود حضرت مریم کا اور دیگر حواریوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر ایک اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ خدا کو بھی یہودیوں کا اس قدر پاس منظور ہے کہ اب اُن کا معجزہ دکھاتا ہے۔ یعنی فوراً اس شخص کا حلیہ بدل دیتا ہے اور اس کو مسیح کا ہمشکل بنا دیتا ہے۔ تو نعوذ باللہ من ذالك خدا کا اپنا تو یہ منشاء تھا کہ مسیح جھوٹا ثابت ہو۔ اس روایت کی رو سے مسیح کا ہمشکل ہو جانا مسیح کا نہیں بلکہ یہودیوں کا معجزہ ہوا۔ مگر کوئی کیا کر سکتا ہے جب قصہ ہی ایسا ہو جو سر تا پا غلط ہو کسی طرف سے اس کو سہارا دینے کی کوشش کی جائے۔ وہ ٹھہر

رہ سکتا ہی نہیں۔ ایک طرف سے ہٹا دو دوسری طرف فوراً گر جاتا ہے۔ قرآنِ پرحکمت کتاب اس لغو قصہ کی ذمہ وار نہیں ہوسکتی۔ نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ جیسا کامل انسان یہ تعلیم دے سکتا ہے۔ نہ کسی حدیث میں یہ ذکر ہے +

یہ بالکل سچ ہے کہ یہ غلط خیال عیسائیوں سے ہی اسلام میں آیا۔ اور جن لوگوں نے تحقیقات سے کام لیا ہے۔ وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ کس طرح اسرائیلیات کا اسلام میں داخل ہوتا چلا گیا۔ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اس قصہ کی تردید کرتا اور اسی بات کو صحیح ٹھہراتا ہے۔ کہ مسیح کالمصلوب ہو گئے۔ نہ یہ کہ کوئی مصلوب کالمسیح ہوگیا۔ چنانچہ یہ ذکر کرنے کے بعد کہ حضرت مسیح کو انہوں نے واقعی مقتول اور مصلوب نہیں کیا۔ بلکہ وہ کالمصلوب ہو گئے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ اور وہ لوگ جنہوں نے اس بارہ میں اختلاف کیا وہ اس معاملہ کے متعلق شک میں ہیں۔ اب ظاہر ہے۔ کہ اختلاف کرنے والے ہر دو گروہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اس لئے یہاں اب خالص یہود کا ذکر چھوڑ دیا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ اس معاملہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب اگر اس خیال کو لیا جائے۔ کہ مسیح کی جگہ کوئی اور مصلوب ہوگیا۔ تو یہود اور نصاریٰ نہ فی الواقع اس بارہ میں شک میں ہیں۔ نہ ان واقعات کی رو سے جو بیان کئے جاتے ہیں کوئی شک ان کو ہوسکتا ہے۔ وہ تو اپنی طرف سے مسیح کو ہی صلیب دے رہے ہیں۔ مسیح کے آسمان پر جانے کا کوئی گواہ نہیں۔ کوئی خاص علامات ظاہر نہیں ہوئیں جن سے یہ شک پڑتا ممکن ہو کہ شاید مسیح آسمان پر چلے گئے۔ وہ شخص جس کو صلیب دیا جاتا ہے اپنا مسیح ہونا قبول کرتا ہے۔ حواری اور ماں اُس کو مسیح ہی کہتے ہیں لیکن جو واقعات اناجیل میں موجود ہیں۔ اور جن کی طرف قرآن کریم نے مسیح کو کالمصلوب قرار دے کر اشارہ کیا ہے۔ وہ بیشک ایسے ہیں کہ ایک پڑھنے والے کو بھی شک میں ڈالتے ہیں۔ تو ان لوگوں کو جن کے سامنے یہ کارروائی ہوئی کیوں شک نہ ہوا ہوگا۔ جو واقعات اوپر دیئے گئے ہیں۔ وہ صاف بتا رہے ہیں۔ کہ یہودیوں کو بھی شک ہی رہا۔ کہ حضرت مسیح واقعی صلیب پر مرے یا نہیں۔ اور نصاریٰ کی تو خود کتابیں بتاتی ہیں۔ کہ جو واقعات اُن میں درج ہیں وہ کبھی مسیح کے صلیب پر مرنے کو یقین کی حالت تک نہیں پہنچنے دیتے۔ جب مسیح کو صلیب پر لٹکایا گیا تو تھوڑی سی

وقت ایک سخت آندھی آئی۔ اور اس کے ساتھ زلزلہ کے آنے کے بھی آثار اناجیل سے معلوم
ہوتے ہیں۔ چھٹے سے نویں گھنٹے تک زمین پر تاریکی کا رہنا پایا جاتا ہے۔ اور یہی مسیح کی
صلیب کا وقت تھا پس ایسی حالت میں کہ ایک طرف سبت کی تیاری تھی۔ دوسری طرف
ہولناک واقعات۔ یہودی مسیح کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اور جب خود پلاطوس
کو شبہ ہوا جیسا کہ مرقس ۱۵: ۴۴ میں لکھا ہے تو یہودیوں کو کیونکر شبہ نہ ہوتا۔ پھر مسیح کا
اُن قبر میں سے نکل جانا کیا اس سے یہودیوں کے دلوں میں شبہات پیدا نہ ہوئے
ہونگے۔ کہ اگر مرگیا ہوتا تو قبر سے لاش کہاں چلی جاتی۔ اور وہ بھی پتھر کو ہٹا کر پھر حواریوں
سے باربار ملنا۔ آخر بات تو نکل گئی ہوگی۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ مسیح اپنے آپ کو بہت
چھپاتے رہے۔ اور کبھی رات کو اور کبھی باہر تنہائی میں حواریوں سے ملتے رہے لیکن
جہاں یہودا اسکریوطی جیسے بھی موجود تھے۔ اگر کسی حواری نے ویسے ذکر کر دیا ہو کہ مسیح فوت
نہیں ہوئے تو کونسی عجیب بات ہے۔ اور عیسائیوں میں تو ایک گروہ اب بھی ہے جو
مسیح کے صلیب پر مرنے کا قائل نہیں۔

یہ تمام واقعات بتاتے ہیں کہ دشمن اور دوست دونوں شک میں رہے۔ قرآن
کریم نے اس بات پر بہت زور دیا ہے۔ اس سے آگے فرماتا ہے۔ مالھم بہ من
علم الا اتباع الظن اس معاملہ میں ان کو یقینی علم کوئی نہیں صرف ظن کی پیروی کرتے
ہیں۔ کیونکہ ان کا محض خیال ہی خیال تھا۔ کہ حضرت مسیح مرگئے۔ واقعات تمام ان کی
موت کے خلاف بلند آواز سے شہادت دے رہے ہیں۔ پھر آگے فرمایا۔ وما قتلوہ
یقیناً جہاں قتلوا کے معنی علماء مفسرین نے کئے ہیں۔ مگر خواہ کوئی سے معنی لے لیں
مطلب صاف ہے کہ مسیح کے قتل ہوجانے کے بارے میں ان کو یقین نہیں ہوا۔ یقین
کی نفی اور اتباع ظن اور شک میں ہونا یہ سب امور صاف بتلاتے ہیں۔ کہ کچھ واقعات
ایسے ہوگئے تھے۔ جو مسیح کے قتل کے خیالات کی طرف اُن کو لے جاتے تھے۔ اور اس
کے خلاف کچھ ایسی شہادت تھی۔ کہ اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ مقتول نہیں ہوا۔ اس لئے
ان واقعات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن کریم نے یہ لفظ اختیار فرمائے ہیں
اور تاریخ کا ایک ایک لفظ قرآن کریم کے اس بیان کی تصدیق کرتا ہے۔

اس کے آگے یہ لفظ آتے ہیں وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ

حضرت ابن عباس نے اس کے معنی یوں کئے ہیں ۔کہ حالت نزع میں چونکہ ایک
کی روشنی مرنے والے کو حاصل ہو جاتی ہے ۔اس لئے اس وقت کیا یہودی اور کیا
مسیح کی حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں ۔جھوٹا مسیح کہنے والا اگر وہ سمجھ لیتا ہے ۔کہ وہ تو دعویٰ میں
سچا تھا ۔خدا بنانے والا اگر وہ جان لیتا ہے کہ وہ خدا نہ تھا بندہ تھا لیکن جن واقعات
کا یہاں تک ذکر ہو چکا ہے اُن کو مدنظر رکھ کر ان الفاظ کے معنی بالکل صاف
جاتے ہیں ۔اوپر فرمایا ۔کہ یہ لوگ اس معاملہ میں شک میں ہیں ان کو اس کا کوئی
نہیں لیومنن بہ کی ضمیر اسی معاملہ کی طرف جاتی ہے جس طرف لفی شک منہ ۔ما
لہم بہ من علم میں ضمیریں جاتی ہیں ۔اور یہاں قرآن کریم نے واقعات تاریخی اور
یہود اور عیسائیوں کے عقاید کا مقابلہ کر کے دکھایا ہے ۔اور بتایا ہے کہ واقعات تاریخی
تو یہ ہیں کہ حضرت مسیح محض کالمصلوب ہوئے ۔مصلوب نہیں ہوئے ۔اور یہودی خود
شک میں رہے ۔اور ان کو کوئی یقینی علم حاصل نہ ہوا ۔کہ وہ واقعی فوت ہو گئے ہیں
اور یہی حال دوسرے لوگوں کا اور خود عیسائیوں کا رہا ۔یہاں تک کہ پلاطوس کو بھی
شبہ ہوا ۔مگر ان تاریخی واقعات کے مقابلہ پر عقیدہ اُن کا یہ ہے ۔کہ کیا یہود اور کیا
عیسائی دونوں اپنی موت سے پہلے ان امور پر ایمان لانا ضروری
سمجھتے ہیں ۔کہ مسیح ضرور مصلوب ہوا ۔کیونکہ یہودی کے لئے ضروری ہے کہ مسیح کے
نعوذ باللہ جھوٹا ہونے پر ایمان رکھے اور اس کے لئے اس کو ماننا پڑتا ہے کہ مسیح
مصلوب ہو کر نعوذ باللہ لعنتی ہوئے ۔اور عیسائی کے لئے ضروری ہے ۔کہ کفارہ پر
ایمان رکھنے کے لئے یہ مانے کہ مسیح ضرور مصلوب ہوئے ۔اور مصلوب ہو کر نعوذ باللہ
من ذالک لعنتی ہوئے ۔اور اس طرح دنیا کے گناہ انہوں نے اُٹھائے ۔یہودی جبتک
مسیح کے واقعی صلیب پر فوت ہو جانے کو نہ مانے وہ یہودی نہیں رہ سکتا عیسائی
جبتک مسیح کے واقعی صلیب پر جان دینے کو نہ مانے وہ عیسائی نہیں رہ سکتا ۔
پس ہر ایک اہل کتاب اپنی موت سے پہلے یا مسیح کی موت سے پہلے مسیح کے صلیب پر فوت
ہونے پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہے ۔پس آیت کے معنی یوں ہوئے اور نہیں کوئی اہل کتاب
مگر ضرور ایمان لاتا ہو (یا لائیگا) اس پر جس پر اس کو تاریخی رنگ سے شک ہو) اپنی (یا اس کی) موت
سے پہلے پس پہلے یہود و نصاریٰ کی تاریخ کا ذکر کیا کہ تاریخ کی رو سے تو وہ شک میں

پیران کے مذہب کا ذکر کیا اور بتایا کہ مذہب کی رو سے وہ اس بات کے پابند ہیں
ں امر کو جس پر تاریخی رنگ سے ان کو شک ہے اسے اپنے لئے بنا کے ایمان قرار دیں بعض
ں امر کے متعلق خود ان کی تاریخ شک پیدا کرتی ہے اسی پر وہ عقیدتاً ایمان لاتے ہیں۔
ح ان کی کچھ کہتی ہے۔ عقیدہ کچھ اور ہے۔ اس لئے خاتمہ آیت کا ان الفاظ پر کیا۔ و
م القیامۃ یکون علیہم شہیدا۔ قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہونگے۔ پس بتانا ہے کہ
ن لوگوں نے واقعات کے خلاف اور اپنے ہی مسلمہ واقعات کے خلاف اپنا عقیدہ
بنا لیا۔ اس طرح جو اعتراض لفظ لیومنن پر کیا جاتا ہے۔ وہ بھی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ
کہا جاتا ہے۔ کہ لیومنن سے آیندہ ایمان لانا ثابت ہوتا ہے۔ مضارع پر جب نون ثقیلہ
اور لام تاکید آجائے تو اس کے معنی مستقبل کے ہوتے ہیں۔ مگر اس معنی سے یہاں بھی استقبال
ہی ہے کیونکہ یہ امر ہر وقت ہر اہل کتاب کے حق میں صادق آتا ہے۔ کہ وہ اپنی تاریخ
کو پڑھتا ہے۔ پھر بھی ایمان اس کے خلاف رکھتا ہے یعنی تاریخی واقعات کو جان لینے
کے بعد بھی ہر اہل کتاب اپنا عقیدہ اس کے خلاف ہی رکھے گا۔ پس اس میں زمانہ مستقبل
کا ہے گویا یوں فرمایا کہ ان باتوں کو جان لینے کے بعد بھی ہر ایک اہل کتاب اس بات
پر ایمان رکھے گا جو خلاف تاریخ ہے۔ گویا اہل کتاب کو شرم دلائی ہے۔ کہ تمہارے ہی ملنے
ہ ایمان وہ باتیں ہیں جن کے تاریخی طور پر صحیح ہونے کا خود تم کو یقین نہیں ۔

پس ما قتلوہ وما صلبوہ سے کسی صورت میں مسیح کا آسمان پر جانا نہیں نکلتا۔
نہ اب تک زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قائلین حیات مسیح کا بڑا انحصار اس آیت کے علاوہ
لفظ رفع کے استعمال پر ہے۔ جو حضرت مسیح کے متعلق استعمال ہوا ہے یعنی ایک جگہ فرمایا
وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔ اور دوسری جگہ فرمایا یعیسی انی متوفیک ورافعک
الی۔ اور ان دونوں مقامات پر رفع الی اللہ سے مراد لیجاتی ہے۔ کہ حضرت مسیح بجسدہ العنصری
زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ کیونکہ رفع کے معنی کسی چیز کو اوپر اٹھانا ہے۔ اس لئے اللہ
تعالیٰ کے بندہ کو رفع کرنے کے معنی بھی یہی ہونگے کہ وہ اسے بجسدہ العنصری اس زمین سے
اٹھا کر کہیں اور لیجایا کرے۔ مگر یاد رہے۔ کہ ہر زبان میں ایک ایک لفظ کئی کئی معنی میں
استعمال ہوتا ہے اور عموماً ایک لفظ کا محل استعمال بتا دیتا ہے۔ کہ وہاں وہ کس معنی میں استعمال
ہوا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے۔ کہ آیا لفظ رفع کے معنی لغت عرب میں ایک

ہی آسکتے ہیں یا زیادہ اور اگر ایک سے زیادہ معنی ہیں یہ لفظ لغت میں اور زبان میں استعمال
ہوا ہے۔ تو پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس خاص موقعہ پر جو یہاں زیر بحث ہے کیا معنی لئے جا سکتے
ہیں۔ مفردات میں امام راغب لفظ رفع کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الرفع یقال
تارۃ فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتہا عن مقرہا ۔۔۔۔ وتارۃ فی البناء اذا طولتہ
۔۔۔۔ وتارۃ فی الذکر اذا نوھتہ ۔۔۔۔ وتارۃ فی المنزلۃ اذا شرفتہا یعنی لفظ رفع کا
استعمال چار طرح پر ہے کبھی ان اجسام پر جو ایک خاص جگہ پر رکھے گئے ہیں۔ جب ان
ان کی جائے قرار سے اونچا کر دیا جائے۔ اور کبھی عمارت پر جب اس کو بلند کرو۔ اور کبھی
ذکر پر جب اس کو شہرت دی جائے اور کبھی مرتبہ پر جب اسے شرف یا بزرگی دی جائے
اس کے علاوہ اور معنی میں بھی لفظ رفع کا استعمال لکھا ہے۔ تاج العروس نے بھی مختلف
مثالیں لفظ رفع کے ان معنوں کی دی ہیں۔ اور امام راغب کے اس قول کو نقل کیا ہے
لسان العرب میں بھی مختلف مثالوں کے ذریعہ سے یہ سب معنی بیان کئے گئے ہیں۔
بخوف طوالت میں صرف لسان العرب سے چند حوالے دیتا ہوں۔ سب سے پہلے رافع کے
معنی ہیں لسان العرب میں یہ لفظ ہیں۔ فی اسماء اللہ تعالی الرافع ھو الذی یرفع المؤمن
بالاسعاد والاولیاء بالتقریب والرفع ضد الوضع ۔۔۔۔ یعنی اللہ تعالی کے اسماء میں
الرافع (رفع کرنے والا) آیا ہے۔ یعنی وہ مومن کو سعید بنا کر اور اپنے اولیاء کو قرب عطا
کرکے رفع کرتا ہے۔ اور رافع وضع کی ضد ہے۔ پھر لکھا ہے۔ کہ قیامت کی صفت میں
جو قرآن کریم میں آتا ہے خافضۃ رافعۃ تو زجاج کہتے ہیں۔ کہ اس کے معنی ہیں تخفض
اہل المعاصی وترفع اہل الطاعۃ یعنی گنہگاروں کو ذلیل کردے گی۔ اور فرمانبرداروں
کو رفع کرے گی یعنی بلند مرتبہ کرے گی۔ اور رافع کے ایک معنی لکھے ہیں۔ تقریب الشیٔ
من الشیٔ ایک چیز کو دوسرے کے قریب میں لے آنا۔ اور اللہ تعالے نے جو فرمایا ہے
فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان
کا رفع کیا جائے وہاں ان ترفع کے معنی ان تعظم لکھے ہیں یعنی ان کو عظمت دی جائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ لفظ رفع کس قدر معنی میں استعمال ہوتا ہے پس اس سے بڑھ کر کوئی جلد بازی نہیں کہ واقعہ صلیب اور
بل رفعہ اللہ الیہ کی بنا پر حضرت عیسیٰ کا جسم عنصری زندہ آسمان پر جانا مانا جائے اگر بفرض محال یہی تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ
نے کسی انسان کو اپنی طرف رفع کرنے یا کسی انسان کے خدا کی طرف رفع ہونے کے یہ بھی معنی ممکن ہیں کہ وہ زندہ بجسد عنصری آسمان پر چلا